بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آئینۂ رشید

حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اپنے فرمودات کی روشنی میں

(استاذ تفسیر و حدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم ڈابھیل سملک)

مرتب

محمد یحییٰ بن عبد الحفیظ قاسمی

ناشر

مکتبہ نعیمہ

زندگانی تھی تیری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو تیرا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو تیرا

جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ ہیں

نام کتاب : آئینۂ رشید
(حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ
اپنے فرمودات کی روشنی میں)

مرتب : محمد یحییٰ بن عبد الحفیظ قاسمی

کمپوزنگ : رحمانی گرافکس،9270708963

صفحات : 70

اشاعت : پہلا ایڈیشن2025ء

قیمت :

ملنے کے پتہ : ادارۂ صدیق ڈابھیل
9664918503

مکتبہ نعیمہ ممبئی
9819886832

عناوین	صفحہ
تقریظ	۶
پیش لفظ	۷
تعلیم وتعلم میں جد و جہد	۸
جلالین سے محبت	۸
خیر کی نیک فالی لینا	۹
آپ کی اعتدال پسند طبیعت	۹
علماء کو دریا دل ہونا چاہیے	۱۲
یکساں التفات اور دل چسپ ناموں سے پکارنا	۱۳
سفر میں آپ کا معمول اور تواضع	۱۳
آپ کا مزاح	۱۳
چھوٹی چھوٹی باتوں میں طلباء کو نصیحت	۱۴
حضرت کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ	۱۴
ہدیہ قبول کرنے میں اصول	۱۴
فضیل بن عیاض کا واقعہ	۱۵
صفائی پسندی اور حساسیت	۱۵
ادیبانہ اندازِ گفتگو	۱۶
درس اور طرزِ تکلّم	۱۶

عناوین	صفحہ
حضرت مولانا واجد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ	۱۶
طلباء پر ہاتھ نہیں اٹھایا	۱۷
تعدد ازدواج کی ترغیب	۱۷
مختصر اہم نصیحت	۱۷
سب سے آخری نصیحت	۱۸
ایک دوسرے طالب علم کو نصیحت	۱۸
بے تکلف زندگی	۱۸
قلم کی حفاظت	۱۹
ناول پڑھنے کی قباحت اور درسی کتابوں کی تاکید	۱۹
استاذ محترم کا اپنے درس کے تئیں گمان	۲۰
تدریس جلالین میں کس کتاب سے امداد لیں؟	۲۰
نو وارد کے آپ کے بارے میں تصورات	۲۱
شرح عقائد	۲۱
الکلام فی القدر	۲۲
الحزب الاعظم کا ترجمہ	۲۴

عناوین	صفحہ
استاذ محترم کی خوش اخلاقی	۲۴
بندے کا اپنا خیال یہ ہے کہ	۲۴
نقوشِ علم کا ادب	۲۵
مولانا نور عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلقات	۲۶
اساتذہ کا ادب و احترام	۲۶
درس قرآن کی خصوصیت	۲۷
درس قرآن کی جھلکیاں	۲۸
استاذ محترم کا اپنے طلبا کے ساتھ برتاو اور ان کی مجلس	۳۰
حضرت الاستاذ کا عمل بالحدیث	۳۵
مختلف ارشادات و فرمودات	۴۰
درس قرآن کی مزید چند جھلکیاں	۴۲
میرے عظیم استاذ	۴۵
خطۂ گجرات کے ایک ذی علم وفضل عالم صالح مولانا رشید احمد پانچ بھایا قاسمی سیلوڈوی	۴۶
مولانا کی وفات کی اطلاع اور تصدیق کے لیے دل کی عدم آمادگی	۴۶
مولانا کے جنازے میں دیہات ہونے کے باوجود ہجوم	۴۹

عناوین	صفحہ
مولانا رشید احمد کا تعلیمی سفر	۴۹
تدریسی خدمت و تربیتی فیضان	۵۰
مولانا رشید احمد سے ملاقات و تعلقات	۵۰
راقم سے اُن کے تعلقات کی نوعیت	۵۲
دارالعلوم ماٹلی والا میں اُن کی تعلیم و تربیت کا انداز	۵۳
جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کا دور سعادت	۵۳
تدریس و تالیف کا نصب العین خدا کی خوش نودی	۵۴
اچھے مدرس اور کام کے لیے اہل افراد کی کم یابی	۵۵
راقم کے ساتھ مولانا کی مخلصانہ محبت کی یادیں	۵۶
طلبہ مدارس میں دینی علوم کے تئیں بڑھتی ہوئی عدم دل چسپی	۵۸
مختصر سوانحی نقوش	۶۰
حضرت الاستاذ مولانا رشید احمد صاحب سیلوڈیؒ: کچھ یادیں کچھ باتیں تحریر مولانا شعیب صاحب بمبوی	۶۴
کتاب کی فریاد اپنے حاملین سے	۶۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تقریظ

حضرت مولانا راشد اسعد ندوی (فاضل جامعہ)

امام وخطیب مسجد عمر فاروق ممبئی

ماں باپ اور استاذ خدا کی عظیم نعمت ہیں؛ ماں باپ پرورش کرتے ہیں اور استاذ منزل علم کے مسافر کو راہ دکھاتے ہیں، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ان نعمتوں کی قدر کرتے ہیں اور ان کی شکر گزاری کرتے ہیں اور بدنصیب ہیں وہ لوگ جو ان نعمتوں کی ناقدری کر کے ناشکری میں مبتلا ہوتے ہیں۔

میرے عزیز دوست مفتی محمد یحیی بن عبد الحفیظ حفظہ اللہ من کل شر و مکروہ وہ خوش نصیب شخص ہیں جنہوں نے ان نعمتوں کی خوب قدر کی اور اپنے ہونہار ہونے کا ثبوت دیا، جس کی جیتی جاگتی مثال یہ کتابچہ ہے، جس میں انہوں نے ہمارے عظیم استاد مرحوم مولانا رشید احمد سیلوڈوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے قابل قدر اور لائق فخر گوشوں پر روشنی ڈالی ہے بالخصوص استاد محترم کی عالمانہ شان اور تدریسی خاصیت کو اجاگر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے نیز مولانا مرحوم سے تادم زیست اپنے دیرینہ تعلقات کا خوب صورت پیرایہ میں اظہار بھی کیا ہے اس طرح یہ کتابچہ بقامت کہتر و بقیمت بہتر کا مصداق ہوگیا ہے۔

مجھے قوی امید ہے کہ مفتی یحیی صاحب کی یہ کاوش جہاں طالبان علوم نبوت کے لیے مشعل راہ ہوگی وہیں استاد محترم کی روح کے لیے باعث سکون، صدقۂ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت ثابت ہوگی۔

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول عام بخشے اور نفع تام کا ذریعہ بنائے آمین۔

راشد اسعد مالیگانوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

میرے عظیم استاذ حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایسے بلند پایہ عالم تھے جن کی یاد آج بھی دلوں کو تڑپا دیتی ہے۔ آپ قاسمی فیض یافتہ تھے اور علم و فضل کا پیکر تھے۔ ان کی زندگی علم و عمل اور تدریس و تربیت کا حسین امتزاج تھی۔

استاد محترم علمِ تفسیر کے ماہر تھے۔ قرآنِ کریم کے نکتوں کو جس خوبی اور باریکی کے ساتھ بیان کرتے، وہ سننے والے کے دل کو مسخر کر لیتا۔ آیاتِ قرآنی میں چھپے معانی اور لطائف کو نکالنے میں انہیں خاص کمال حاصل تھا۔ طلبہ جب ان کے درس میں بیٹھتے تو محسوس کرتے کہ گویا قرآن اپنے جلوے اور انوار کے ساتھ ان کے سامنے کھل رہا ہے۔

وہ نہ صرف علم میں کامل تھے بلکہ عقل و بصیرت میں بھی بے مثال تھے۔ مشکل مسائل کو آسان زبان میں سمجھانا ان کا خاصہ تھا۔ انہیں بجا طور پر تدریس کا بادشاہ کہا جا سکتا ہے۔ ان کے درس کا انداز دلنشین بھی تھا اور علمی اعتبار سے پختہ بھی۔

اخلاق و کردار کے میدان میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھے۔ خوش اخلاقی ان کی شخصیت کا نمایاں وصف تھی۔ وہ ہمیشہ طلبہ کی حوصلہ افزائی فرماتے، ان کی تربیت کرتے اور ہر ایک کو دعاؤں سے نوازتے۔ ان کی زبان سے نکلی ہوئی دعائیں آج بھی شاگردوں کے لیے روشنی کا چراغ ہیں۔

ایسے اساتذہ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ اپنے شاگردوں کے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ان کی علمی خدمات اور تربیتی لمحات ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے، ان کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

ان کی وفات کے موقع پر بندے نے ان کے ارشادات و فرمودات، تدریسی نہج اور تربیتی انداز، آپ کا کردار، تفہیمی طرز، میانہ مزاج اور قرآنی نکات بیانی کو وضاحت سے لکھا تھا۔ لوگوں نے ان تحریروں کو بہ نظر استحسان دیکھا تھا۔ اب مناسب سمجھا کہ انھیں شائع کر کے عام کیا جائے تا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے کردار سے لوگوں کو مزید فائدہ ہو عام ہو اور تام ہو۔ اور آخر میں نہایت اہم تحریر کو شامل کیا گیا ہے جو حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں نوشت فرمائی تھی جس سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا خاکہ بالاختصار اور آپ کے مزید کمالات مولانا امینی رحمۃ اللہ علیہ کے بے مثال قلم سے اجاگر ہوتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُولِہِ الۡکَرِیمِ

ہم نے ”حضرت الاستاذ“ سے عربی دوم سے عربی ششم تک متعدد کتابیں پڑھیں۔ القراءۃ الواضحہ دوم، نفحۃ العرب، ترجمہ قرآن (شروع کے بارہ پارے) اور جلالین شریف نصف اول۔ ان کے اوصاف بیان کرنے سے میری زبان قاصر اور میرے الفاظ عاجز ہیں۔ واقعتاً میں اپنے آپ کو اس سلسلے میں کوتاہ سمجھ رہا ہوں۔

یہ بوجھ کیوں کر اٹھائے میرا قلم عاجز زبان قاصر علم ناقص فہم

ظاہری خدوخال:

رنگ سانولا، چہرہ کتابی، ناک کھڑی، آنکھیں بڑی، قد دراز، بدن اعتدال کے ساتھ فربہ۔

تعلیم وتعلم میں جد و جہد:

استاذ محترم نے فرمایا تھا کہ میں زمانہ طالب علمی میں بہت دبلا تھا اس سے بھی زیادہ (میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا- میرا وزن اس وقت ۵۴/ کلو تھا یا اس سے کم) فرمایا کہ میں زمانہ طالب علمی میں بہت بیمار رہتا تھا۔ لیکن استاذ کی بیماری اپنی جگہ تھی اور حصول علم میں اجتہاد اپنی جگہ۔

فرمایا کہ: ”ماٹلی والا میں ایک مرتبہ پانچ یا چھ کتابیں میرے ذمہ آئیں اور سب ایسی کہ مطالعہ کے لیے ایک اچھا وقت ان کو دینا ضروری تھا، اور اسی وقت میں دروس البلاغہ پر بھی کام کر رہا تھا تو میرا معمول یہ تھا کہ مغرب بعد سے ۱۱ بجے تک درسی کتابوں کے مطالعہ سے فارغ ہو جاتا اور ۱۱/ بجے سے ۲/ بجے تک دروس البلاغہ پر کام کرتا اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھتا یہ کام الحمد للہ چند مہینوں میں مکمل ہو گیا۔“

حضرت الاستاذ درسیات میں بہت زیادہ محنت کرنے والوں میں سے تھے۔ پوری زندگی درسیات میں صرف کرنے کی وجہ سے شرح العقائد جیسی مشکل کتاب آپ بہت آسانی سے سمجھا دیتے تھے۔ علامہ تفتازانی کی ذکر کردہ مثالوں پر اکتفانہ فرماتے بلکہ نئی تعبیریں اور جدید مثالیں بیان کرتے، جس سے دھیان سے سننے والا ہر ایک طالب علم اچھی طرح سمجھ لیتا۔

جلالین سے محبت:

آپ کو جلالین سے عشق حد تک چاہت تھی۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے نہ کبھی ماٹلی والا

میں اور نہ ہی ڈابھیل میں کسی کتاب کا مطالبہ کیا، سوائے ایک کتاب کے؛ جب ڈابھیل آیا تو میں نے مہتمم صاحب سے جلالین شریف کی درخواست کی تھی۔

اور ابھی چند سال پہلے فرمایا تھا کہ ”میں نے کسی ایک حدیث کی کتاب کی بھی چاہت ظاہر کی تھی، اور تمنا تھی کہ مشکاۃ شریف دے دی جائے۔“

خیر کی نیک فالی لینا:

حضرت الاستاذ مولانا یوسف صاحب کاوی نور اللہ مرقدہ کا گھر سامنے ہی تھا ایک دن ان کے گھر سے آدھا کٹا ہوا پپیتا (پپیا) آیا تو استاذ محترم نے خیر کی نیک فالی لی کہ یہاں سے کچھ خیر آئے گی، چناچہ کچھ مہینوں بعد حضرت الاستاذ مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا اور ابو داؤد شریف جو حضرت مولانا یوسف صاحب کاوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ تھی استاذ محترم کو دے دی گئی۔

آپ کی اعتدال پسند طبیعت:

آپ اگر ”استاذ محترم“ کی زندگی کا مشاہدہ کریں، ان کے زندگی گزارنے کے اصول و قواعد اور طور و طریق کو دیکھیں، اور ان کے کھانے پینے، پڑھنے پڑھانے، تعلق رکھنے نبھانے، مزاح کرنے وغیرہ کا معاینہ کریں تو بخوبی جان لو گے کہ استاذ محترم کی زندگی اعتدال سے عبارت تھی نہ آپ ادیبِ محض تھے نہ نرے صوفی، نہ آپ کسی کے اتنے معتقد ہوتے کہ اعتقاد میں بہتے چلے جارہے ہیں اور نہ کسی سے اس قدر بدظن کہ خوبیاں ہی نظر نہ آئیں، کسی کی تعریف میں بھی الفاظِ مدح بھاری بھر کم نہ ہوتے۔ آپ کی طبیعت ہی اعتدال پسند تھی، اعتدال پر ہی آپ کو ڈھالا گیا تھا۔

ایک وقت کسی محترم کا بالخصوص گجرات میں اور بالعموم ہندوستان کے دیگر علاقوں اور دنیا کے کچھ ممالک میں بڑا چرچا ہوا، لوگوں اور علماء کا ان کی طرف لگاؤ اور کھنچاؤ کافی تھا۔ کچھ سالوں بعد علماء کا ان سے کنارے ہونا ظاہر ہوا تو ”استاذ محترم“ نے فرمایا تھا کہ پتا نہیں کیوں میرے دل کا میلان پہلے ہی سے ان کی طرف نہیں ہوتا تھا۔

فرمایا کہ میرا ”ماٹلی والا“ میں تدریس کے لیے تقرر ہو چکا تھا لیکن میرے لیے ندوۃ العلماء کی ترتیب بنادی گئی۔ وہاں گیا داخلہ بھی ہوگیا لیکن وہاں طبیعت نہیں لگی اور وہاں سے تقریبا دو ماہ میں

واپس آ گیا۔حضرت کی معتدل طبیعت نے وہاں کا قیام گوارا نہ کیا، ہم طلبا میں سے بھی کوئی ندوہ جانے کے سلسلے میں مشورہ کرتا تو آپ منع فرمادیتے اور جو کوئی چلا جاتا اس کو ناراضگی کا بھی سامنا کرنا پڑتا اور جو کوئی دار العلوم دیوبند جانے کا مشورہ کرتا تو خوش ہوتے اور جانے کی ترتیب بتاتے۔ فرماتے: وہاں جاکر آپ کو احساس ہوگا کہ ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں، جیسے کنویں کا مینڈک کنویں کو ہی پوری دنیا سمجھتا ہے جب اس کو وہاں سے باہر نکالا جاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ دنیا تو اور بھی بڑی ہے۔آپ دار العلوم دیوبند جانے والے بعض طلبا کو مولانا نور عالم خلیل امینی رحمۃ اللہ علیہ کا نمبر دیتے کہ ان سے میرا نام لے کر رابطہ کرنا اور جیسی ضرورت ہو رہنمائی لیتے رہنا۔

فرمایا: لوگوں میں میانہ روی کی بہت کمی ہے کسی مدرسہ کے ایک مولانا کا روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہوگیا۔ ان کے بارے میں کسی رسالہ میں مضمون لکھا گیا اور ان کو شہید ملت کا خطاب دیا گیا! اگر شہیدِ ملت لقب دینا ہو تو ان کو دو جو ایک بڑی طاقت کے مقابلہ میں ہیں۔شہید ملت کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی شہادت پوری ملت یا کثیر ملت کے لیے مفید ہو۔

آپ کے پند و نصائح میں بھی، تحریض و تشجیع میں بھی اور ترغیب و ترہیب میں بھی اعتدال تھا، آپ بہت زیادہ عبادت کرنے کی ترغیب دیتے اور نہ ہی چلّہ کشی و چلّہ دعوتی پر ابھارتے۔ آپ اپنے طلباء سے صحیح عقیدہ، عمدہ اخلاق، صالح طبیعت، گناہوں سے احتراز اور فرائض پر اہتمام چاہتے تھے۔ بدعت اور غلو سے ایک قسم کی چڑ تھی۔

فرمایا کہ جس طرح نفل نماز میں تداعی ہمارے یہاں درست نہیں ہے اسی طرح دیگر عبادتوں میں ذکر و اذکار میں بھی تداعی نہیں ہونی چاہیے۔اگر کسی کو سادگی میں خوب صورتی دیکھنا ہو تو ''استاذ'' اور ان کے فرزندوں اور ان کی گھریلو اشیاء کو دیکھ لے۔ درحقیقت اعتدال میں اللہ تعالیٰ نے خوب صورتی رکھی ہے، حضرت اور ان کے فرزندوں کے کپڑے اور برتنے کی اشیاء مہنگی نہیں ہوتی تھیں نہ بہت سستی بلکہ صاف ستھری اور پُرسلیقہ ہوتی تھیں، استاذ محترم کسی بھی چیز میں ٹپ ٹاپ کے قائل نہ تھے۔ ہاں! ٹھیک ٹھاک ضرور ہونا چاہیے۔آپ کے گھر کی ہر ایک چیز میں سادگی کے ساتھ ایک الگ خوب صورتی تھی۔

ایک مرتبہ میں نے پوچھا حضرت سوالیہ پرچے کس طرح نکالے جائیں؟ تو فرمایا: جس طرح پڑھایا گیا ہے، اگر آپ نے ایک مسئلہ کی کئی دلیلیں یاد کروائی ہیں تو پوچھ لیجیے۔ اگر کئی

کئی اقوال یاد کروائے ہیں تو پوچھ لیجیے۔ استاذ محترم سوالیہ پرچے نکالنے میں بھی معتدل تھے نہ بہت زیادہ مشکل نکالتے کہ قدوری کا پرچہ بدایہ کا، ہدایۃ النحو کا پرچہ شرح بن عقیل کا اور جلالین کا پرچہ تفسیر بیضاوی کا معلوم ہو اور نہ بہت آسان نکالتے کہ امتحان کا کوئی مطلب ہی باقی نہ رہے۔ فرمایا کہ ایک صاحب نے شرح ابن عقیل کا پرچہ نکالا اور انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں نے پرچہ کیسا نکالا ہے تو میں نے کہا کہ یہ شرح ابن عقیل کا پرچہ تھوڑا ہے، یہ تو ''**الفیه ابن مالك**'' کا پرچہ ہے آپ نے صرف اشعار اشعار دے کر وضاحت طلب کی ہے حالاں کہ امتحان تو شرح ابن عقیل کا لینا تھا۔ اگر مجھے بھی پرچہ حل کرنے کے لیے بٹھایا جائے حالاں کہ میں نے پڑھائی ہے تو حل نہ کرسکوں گا۔

فرمایا: انسان کو اپنی بات میں بالکل سچا ہونا چاہیے۔ ایک مرتبہ مجھ سے ایک طالب علم نے امتحان ہال میں پوچھا؛ میں نے انکار کر دیا کہ مجھے نہیں معلوم اور واقعتاً مجھے نہیں معلوم تھا۔

آپ نے ایک مرتبہ فرمایا: ''میرا نام رشید احمد ہے اور ہدایت جو کہ معتدل اور مقتصد راہ ہے اسی کو میں پسند کرتا ہوں''۔ (رشید بمعنیٰ ہدایت یافتہ) اس کا مشاہدہ میں نے اور مجھ جیسے دیگر طلباء نے بھی کیا کہ آپ اسم بامسمی تھے ہر ہر بات میں سمجھداری اور رشد و سداد تھا۔ آپ کے فیصلے مستحکم، مبنی بر انصاف ہوتے اور آپ کی رائے مضبوط اور مقبول عند العامۃ ہوتی۔ آپ زمینی حقائق سامنے رکھتے ہوئے رائے دیتے، ہوا میں باتیں نہ چھوڑتے۔ ایسا مشورہ دیتے جو سامنے والا کر سکے۔ طلباء اور ملنے والے احباب آپ کی رائے سے مطمئن ہوتے۔ میں نے استاذ محترم سے کئی مشورے کیے کبھی غیر مطمئن اور تشنہ نہیں رہا، آپ کے قیمتی مشوروں سے با اطمینان اور شکم سیر رہا۔ **الحمد ﷲ**۔

اعتدال اور میانہ روی آپ میں نمایاں تھی اور آپ اس کی نصیحت بھی فرماتے۔ فرمایا کہ ہر کام میں میانہ روی ہونی چاہیے حتی کہ کھانے میں بھی اس لیے کھانے سے پہلے دو تین گلاس پی لیا کرو۔ اسی طرح تقریر و فنِ خطابت میں بھی میانہ روی ہو، بالکل بھی نہ سیکھو ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے اور اسی کو نصب العین بنالو ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے۔

فرمایا کہ شریعت کے احکام میں فرق مراتب جو رکھا ہے وہ ہونا چاہیے، لہٰذا جس کو مکروہ تنزیہی کہا ہے اس کے ساتھ حرام یا مکروہ تحریمی سا برتاؤ نہیں کرنا چاہیے اور جو مستحب ہے اس

کو فرض کا درجہ نہیں دینا چاہیے۔

حضرت الاستاذ کسی کی تعریف کرنے میں بھی معتدل اور میانہ الفاظ استعمال فرماتے حد درجہ کے گاڑھے الفاظ استعمال نہ کرتے اور کسی کی برائی نہ تو کرتے اور نہ ہی سنتے۔ بغرض عبرت کوئی واقعہ بیان کرتے تو نہ نام لیتے اور نہ اشارہ کرتے، فرماتے کہ اگر میں اشارہ کروں گا تو آپ لوگ سمجھ جاؤ گے۔

فرمایا کہ عاقل آدمی اور عمل کم یہ بہتر ہے اس سے جس کا عمل زیادہ اور عقل کم ہو کیوں کہ جو عاقل ہے وہ اسلام کا ناداں دوست نہیں بنے گا۔ ان شاء اللہ۔

علماء کو دریا دل ہونا چاہیے:

ایک مرتبہ ہمارے ایک ساتھی نے عرض کیا کہ حضرت ممبئی میں امامت کے فرائض انجام دیتا ہوں لیکن بعض مصلیوں نے زچ کر رکھا ہے، تو استاذ محترم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ سے خطاب فرما کر ایک بڑی نعمت پر احسان جتلایا ہے کہ ''اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ''اور استاذ محترم نے اس آیتِ کریمہ کی یوں توضیح کی: ''کیا ہم نے آپ کو دریا دل نہیں بنایا۔'' پھر فرمایا ''کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہر نبی سے کچھ ایسے کام لیتے ہیں جس سے ان کی تربیت مقصود ہوتی ہے کہ وہ دریا دل ہو جائیں جیسے بکریاں چرانا۔ بکری چھوٹا جانور ہے لیکن کبھی یہ جانور بھاگتا ہے تو ہاتھ آنے میں دق کر دیتا ہے اب جانور ایسا کہ اس پر سختی نہیں کر سکتے سختی کریں گے تو مر جائے گا کمزور صنف ہے۔ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس معصوم بکری کی کوتاہیوں کو برداشت کیا جائے اور ان کو معصوم سمجھا جائے، اس کی طرف سے دل صاف رکھا جائے۔ دریا کے اندر جو کچھ ڈالیں دریا سب ہضم کر لیتا ہے کبھی شکوے شکایت نہیں کرتا، اسی طرح مولویوں کو اور امام کو دریا دل ہونا چاہیے۔''

آپ کا نہ صرف رشید بلکہ ارشد ہونا ہم نے ان اختلافات میں بھی دیکھا جو دینی جماعتوں اور جمعیتوں میں رونما ہوئے ہیں آپ کے زمانہ طالب علمی سے لے کر تاہنوز۔ آپ اسی گروہ کی طرف داری کرتے اور اسی جماعت کا حصہ بنتے اور اسی رائے کے گرویدہ ہوتے جو فی الواقع درست، صحیح اور معتدل ہوتی۔

یکساں التفات اور دل چسپ ناموں سے پکارنا:

آپ کے پاس جانے والا ایک ہو یا کئی ہو آپ کی توجہات و عنایات سے محروم نہ رہتا، باتوں کے درمیان ہر ایک کی طرف التفات فرماتے۔ ایک ہی کی نظروں میں نظریں گاڑھ کر کلام نہ کرتے۔ ہر کسی کو اچھے لقب سے پکارتے کہ سننے والے کا دل خوش ہو جاتا بندے کو نام کی مناسبت سے ”زندہ باد“ کہتے کہ یحییٰ کا معنی ہی ہے زندہ باد۔ میرے گھر والوں کی خیریت یوں دریافت کرتے کہ شفا خانہ کیسا ہے۔ (میری بیوی کا نام شفا ہونے کی مناسبت سے)

سفر میں آپ کا معمول اور تواضع:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضر میں ہوں یا سفر میں اپنی جداگانہ حیثیت بنا کر نہیں رکھتے تھے دوسروں کے ساتھ مل کر کام کرتے، کسی کا پیچھے پیچھے چلنا گوارا نہ فرماتے۔ ہم نے اپنے استاذ محترم میں بھی یہ باتیں دیکھیں۔ دو سفر میں نے استاذ محترم کے دیکھے ہیں؛ ایک دیوبند کا اور ایک ممبئی کا کبھی اپنی علحدہ حیثیت ظاہر نہ کرتے طلبا کے ساتھ مل کر سفر کرتے کار چلانے والے طالب علم کو پانی پینے کی ضرورت محسوس ہوتی تو اپنے ہاتھ سے پانی پلاتے۔ دیوبند کے مہمان خانہ میں بھی عام مسافروں کے اترنے کی جگہ قیام فرمایا، مہمان خانہ کے مخصوص کمروں میں قیام فرمانا پسند نہیں کیا۔

آپ کا مزاح:

آپ کا مزاح بھی عالمانہ ہوتا؛ ایک مرتبہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کبھی معنی کے ساتھ ساتھ الفاظ بھی قبول فرمالیتے ہیں، جیسے حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم بہ کثرت یہ دعا مانگتے ہیں: ”اے اللہ! جامعہ کو رجال کار عطا فرما۔“ اور آج ماشاء اللہ جامعہ کے تمام اساتذہ کے پاس کار ہے سوائے میرے، فرمایا بائیک بھی ایک قسم کی کار ہے۔

میں نے کہا کہ ”میں بھی نکاح سے پہلے چوں کہ دم اور نزلہ کی بیماری تھی خوب دعا کیا کرتا تھا کہ اے اللہ! شفا عطا فرما کاملہ، عاجلہ، مستمرہ، اللہ تعالیٰ نے ’شفا‘ نامی بیوی دے دی۔“

ایک مرتبہ فرمایا کہ شفا مذکر ہے، شفائے کامل، عاجل، مستمر ہونا چاہیے کہ حدیث میں شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا ہے۔ آپ کا سبق نہایت وقیع اور باوقار ہوتا، چار زانو ایک ہی ہیئت پر بیٹھے رہتے اور سنجیدگی کے ساتھ پورا گھنٹہ پڑھاتے۔ لیکن سبق کے علاوہ آپ ایک خوش مزاج، دل لگی کرنے والے مزاحیہ شخصیت کے مالک تھے۔

چھوٹی چھوٹی باتوں میں طلباء کو نصیحت:

حضرت طلباء کو نصیحت کے ساتھ تربیت بھی فرماتے ایک مرتبہ آپ کی مجلس سے مجھ کو اٹھ کر جانا تھا تو میں نے کہا: استاذ میں چلوں؟'' تو فرمایا کہ جب کسی کے پاس سے اٹھ کر جانا ہو تو اس طرح کہا کرو کہ'' استاذ اجازت چاہتا ہوں ؟'' اپنے پاس پڑھنے والے طلباء کو ان شاء اللہ کہنے کی بھی خوب تاکید کرتے، اگر کوئی طالب علم مستقبل کا جملہ بولتا اور ان شاء اللہ نہ کہتا تو آپ ضرور متنبہ فرماتے۔آپ طلبا کو رہن سہن کے چھوٹے چھوٹے آداب بھی تعلیم دیا کرتے تھے۔ فارغ ہونے اور شادی کے بعد بعض طلبا کا پیٹ آگے آجاتا ہے تو آپ اس پر بھی فرماتے کہ عمدہ اور مقوی غذا کھاؤ لیکن کم کھاؤ۔

حضرت کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

ایک مرتبہ فرمایا کہ جب کبھی دسترخوان پر بیٹھو تو ذہنی تقسیم کرلیا کرو اور اس پر اپنے چہیتے استاذ حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس علی گڑھ سے ایک پروفیسر آئے تو حضرت کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے لیے آٹھ رس گلے منگوائے وہ دونوں باتیں کر رہے ہیں اور ایک رس گلہ سے تھوڑا تھوڑا کھا رہے ہیں اس درمیان ''ایک روایتی مولانا'' آئے۔(روایتی مولانا سے کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد ایسا مولوی جس کا پیٹ باہر ہو رومال کندھے پر ڈال رکھا ہو اور منہ میں پان چبا رکھا ہو)ان کو بھی حضرت کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے رس گلہ نوش کرنے کو کہا، وہ بیٹھے اور یکے بعد دیگرے چھ رس گلے چٹ کر گئے۔مولانا اور پروفیسر صاحب ایک ہی میں لگے ہیں، اب ایک بچا تھا، آنے والے مولانا نے سوچا کہ یہ کس طرح لیا جائے۔ اس کے لیے ایک ترکیب دماغ میں آئی اور کہا: آپ دونوں تو لے ہی نہیں رہے ہیں ؟ ان کی یہ بات سن کر کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آپ ہی لے لیجیے صاحب۔آنے والے مولانا نے موقع غنیمت جانا اور اس ساتویں رس گلے کا بھی قصہ تمام کر دیا۔

حضرت الاستاذ یہ واقعہ بیان کر کے نصیحت فرماتے کہ جب دسترخوان پر بیٹھو تو ذہنی تقسیم کرلیا کرو کہ میرے حصہ میں کتنا آئے گا اتنا ہی کھاؤ اس سے زیادہ ہرگز مت کھاؤ۔

ہدیہ قبول کرنے میں اصول:

ہدیہ قبول کرنے میں بھی آپ کا اپنا اصول تھا آپ طلبا سے ہدیہ قبول نہ فرماتے اور نہ

احسان جتلانے والوں سے، ایک مرتبہ جامعہ کے ایک فاضل ہدیہ لے کر حاضر ہوئے حضرت نے انکار کر دیا، وہ مصر تھے، آپ لے کر پاس موجود طلبا میں تقسیم کرنے لگے، وہ صاحب کہنے لگے حضرت یہ آپ کے لیے تھا۔ تو حضرت نے خفگی کا اظہار فرمایا کہ پہلے تو میں لے نہیں رہا تھا اب جب کہ لے لیا وہ میری ملکیت ہو گئی اب آپ روک کیوں لگا رہے ہو۔

فضیل بن عیاض کا واقعہ:

ایک واقعہ سناتے تھے کہ حضرت فضیل بن عیاض کے پاس حاکم وقت کئی اشرفی لے کر آیا پوچھا کیوں آئے ہو؟ تو کہا نصیحت سننے، آپ نے نصیحت کی۔ پھر وہ لائی ہوئی اشرفیاں خدمت میں پیش کرنے لگا۔ آپ نے لینے سے منع فرمادیا۔ حاکمِ وقت نے اصرار کیا تو آپ نے نہ لینے پر اصرار کیا۔ جب حاکمِ وقت چلا گیا اور دروازہ بند کر کے دروازے پر ہی تھا کہ اس کو گھر کی عورتوں کی آواز آئی جو حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ کو کہہ رہی تھیں کہ آپ نے مطالبہ تو کیا نہیں تھا۔ لے کیوں نہ لیا؟ گھر کی حالت بھی آپ کو پتا ہے اور عورتوں اور بچوں پر کیا گزر رہی ہے اس سے بھی آپ ناواقف نہیں ہیں۔

یہ بات سن کر حاکمِ وقت دوبارہ آیا کہ شاید عورتوں کی سن کر ہدیہ قبول فرمالیں لیکن آپ نے پھر انکار کر دیا جب حاکم نامراد چلا گیا تو آپ نے اپنی عورتوں کو فرمایا: کہ تم مجھے کسان کے اس بیل کی طرح بنانا چاہتی ہو جو ساری زندگی ہل جوت کر مالک کی خدمت کرتا ہے اور جب وہ کمزور پڑ جاتا ہے اور ہل کے قابل نہیں رہتا تو اسی بیل کو کسان ذبح کر کے کھا جاتا ہے۔

بہر حال اخلاص سے دیے ہوئے ہدیے کی آپ قدر بھی کرتے اور قولی وعملی شکریہ بھی ادا فرماتے اور خوب دعاؤں سے نوازتے۔

صفائی پسندی اور حساسیت:

کپڑا نہایت اجلا سفید، صاف شفاف پہنتے اور صفائی ستھرائی کو پسند کرتے، اگر درسگاہ گرد آلود ہوتی تو پہلے طلباء سے درسگاہ صاف کرواتے پھر سبق پڑھاتے۔ کسی کی داڑھی کے بال بکھرے ہوتے یا کسی کی ٹوپی ترچھی ہوتی اس طرح کی باتیں آپ کو پسند نہیں تھیں، نہایت حساس طبیعت کے مالک تھے۔ سبق میں تو کسی کو نہ ٹوکتے لیکن آپ کے گھر بغرض ملاقات جاتے اور کسی کی داڑھی پراگندہ ہوتی تو اس کو مزاحیہ انداز میں تنبیہ کرتے، ایک طالب علم کی داڑھی ایک مشت

سے بھی زیادہ لمبی ہوگئی تھی حالانکہ اس کی عمر زیادہ نہیں تھی تو فرمایا: آپ کی داڑھی تو آپ سے بھی بڑی ہوگئی ہے۔ آپ خود بھی ایک مشت ہی داڑھی رکھتے زائد کٹوا دیا کرتے۔

ادیبانہ انداز گفتگو:

آپ مدرسہ میں ادیب مشہور تھے۔ ایک مرتبہ کہا ''جس وقت میرا جامعہ میں نیا تقرر ہوا تھا، طلبا نے میرے بارے میں دو باتیں غلط جان رکھی تھی۔ ایک تو یہ کہ میں ادیب نہیں ہوں اور مجھے ادیب سمجھتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ میرا نام رشید احمد ہے اور مجھے عبدالرشید کہتے ہیں۔''

یہ آپ کی کسر نفسی تھی ورنہ آپ عربی اردو نہایت فصاحت کے ساتھ بولتے اور لکھتے تھے جس کے شواہد آپ کی تصانیف ہیں اور جب کبھی سبق پڑھاتے یا کسی موضوع پر گفتگو فرماتے تو ایسا لگتا کہ فصیح الفاظ، مناسب تعبیریں، موقع کی مناسبت سے دست بستہ کھڑے ہیں۔ برجستہ تسلسل کے ساتھ گفتگو کرتے چلے جاتے، کبھی کسی لفظ کا اعادہ نہ فرماتے۔ آپ کی سبق کے دوران فصیح تقریر ہو یا گھر پر یارانہ گفتگو، کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ آپ گجراتی ہیں اور گجرات کے صوبہ بھروچ کے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا اردو آپ کی مادری زبان ہے۔

درس اور طرزِ تکلّم:

بولنے کا انداز جارحانہ نہیں تھا آسان سہل انداز میں کلام فرماتے، سبق کی تقریر کے وقت نہ بھنویں چڑھاتے اور نہ منہ بگاڑتے۔ ایک بات کا بار بار اعادہ نہ فرماتے، ہاں! جو بات سمجھنا دشوار ہوتی تو اس کی تقریر دوبارہ کر دیا کرتے۔ آپ کا درس اور گفتگو حشو زوائد سے پاک ہوتی۔ حتی کہ وہ بعض الفاظ جن کا استعمال کوئی مدرس یا مقرر اگلا مضمون سوچنے کے لیے استعمال کرتا ہے آپ کا کلام ان سے بھی پاک تھا۔ جیسے، چنانچہ، جو ہے کہ، تو، سو، سمجھ میں آیا اور بلاوجہ کھنکھارنا وغیرہ۔ ہم نے کبھی نہیں سنا کہ آپ نے سبق میں کہا ہو ''تو ہم کہاں تھے'' سبق سننے والے آپ کی باتوں سے اکتاتے نہیں تھے، بسا اوقات تو طبیعت جھوم جاتی کہ واہ! کیا تعبیر اختیار فرمائی ہے۔

حضرت مولانا واجد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

آپ کلام میں اشارات اور کنایات کے بھی بادشاہ تھے، اور پسند بھی اسی کو کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا: ''میں حضرت مولانا واجد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ عصر بعد نہر کی طرف ہوا

خوری اور چہل قدمی کے لیے جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ نہر تک پہنچ گئے، مگر آپ کو اور آگے جانا تھا۔ انھوں نے مجھے صراحتاً نہیں کہا کہ ''چلیے آگے چلتے ہیں'' بلکہ کنایہ فرمایا کہ ''آج موسم بڑا خوش گوار ہے۔'' یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ عقل مند حضرات اسی طرح کلام کرتے ہیں۔

طلباء پر ہاتھ نہیں اٹھایا:

چار سال ان کے سامنے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا لیکن کبھی کسی کو نہیں مارا سوائے ایک مرتبہ کے کہ ایک طالب علم بالکل استاذ کے تخت سے متصل تپائی پر بیٹھا سو رہا تھا تو سر پر ایک ہلکا سا ہاتھ مارا۔ ہم نے کتب حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے علاوہ کسی کو نہیں مارا نہ کسی خادم کو مارا نہ کبھی کسی بیوی محترمہ کو۔ (شمائل ترمذی)

تعددِ ازدواج:

ایک مرتبہ میں ان کے گھر گیا، کافی باتیں ہوئیں، درمیان گفتگو کہا کہ آج سے پچاس سال پہلے پورے گجرات میں صرف تین مدرسہ تھے، تبلیغی جماعت کا کام بھی بہت زیادہ نہیں تھا، خانقاہیں بھی چند ہی تھیں، اور اب واپی سے چھاپی تک کئی مدارس ہیں اور جماعتیں بھی رواں دواں ہیں، خانقاہوں کا بھی جگہ جگہ بسیرا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کیا فحاشیت وعریانیت میں کمی آئی؟ کیا جنسی بے راہ روی پر قدغن لگا؟ یہ برائیاں کم ہونے کے بجائے اور بڑھ گئی ہیں، اس کا ایک علاج یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہر ایک کئی نکاح کرلے، اس سے فحاشیت کے اڈے بھی ختم ہو جائیں گے، سنیما گھر بھی سونے پڑ جائیں گے، زنا اور خفیہ یاریاں بھی دم توڑ دیں گی۔ سب کو اپنے ہی جھمیلوں سے فرصت نہیں ملے گی۔ کام سے فرصت ہوتے ہی وہ اپنے گھر کی فکر کرے گا۔

مختصر اہم نصیحت:

دورۂ حدیث کے سال آخر میں جب حضرت کے پاس الوداعی ملاقات کے لیے گیا تو عرض کیا کہ استاذ آپ نے بہت سی نصیحتیں گزشتہ پانچ سالوں میں کی ہیں۔ چند اہم نصیحت اس وقت کر دیجیے جس کو ہم پلے باندھ لیں۔

فرمایا: والدین کی خدمت کریں اور اگر کسی کے والدین یا کوئی ایک نہیں ہے تو رنجیدہ نہ ہو، ہوسکتا ہے اس میں کچھ مصلحت ہو۔ جو پڑھنے کا ذوق رکھتے ہیں اور نمبرات بھی اچھے آئے

ہیں تو ضرور آگے پڑھنا چاہیے اور جو آگے نہیں پڑھنا چاہتے وہ مترجم قرآن کریم مکمل پڑھے فوائد عثمانی کے ساتھ۔ اور حدیث میں ریاض الصالحین، مشکاۃ المصابیح، ترجمان السنہ اور معارف الحدیث مطالعہ میں رکھے۔بعض اردو کتابیں دیکھنے منع کرتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ اردو بھی دیکھنا چاہیے۔اور جہاد کے فضائل کو تبلیغی اعمال پر چسپاں نہیں کرنا چاہیے، تشکیل میں زور زبر دستی نہیں ہونی چاہیے، علو فی الدین مطلوب ہے نہ کہ غلو فی الدین۔اور فرمایا: تقدیر پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ تدبیر اختیار کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

سب سے آخری نصیحت:

انتقال سے تین ہفتہ پہلے استاذ محترم سے ملنے ان کے گھر گیا تھا اور زندہ باد کہہ کر بیٹھے بیٹھے معانقہ کیا تھا۔فرمایا کہ حق پسند اور صداقت پسند بنو۔استاذ محترم جو نصیحت کرتے اس کی وضاحت بھی فرماتے۔فرمایا کہ حق پسند بننے کا مطلب یہ ہے کہ باطل کے پیروکار نہ بنو اور صداقت پسند بننے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ سچ کہو، اور تم جیسے ہو اپنے کو ویسا بتلاؤ، خوامخواہ کا تکلف مت کرو۔

ایک دوسرے طالب علم کو نصیحت:

آپ ممتحن بن جائیں تو یاد رکھو جلّاد مت بن جانا۔ ابھی تو تمہاری سوچ پاکیزہ ہے بعد کو تمہاری سوچ میں خباثت نہ آجائے کہ تم اپنی صلاحیت جتلانے لگو۔فرمایا: اللہ کا خوف دل میں ہو تو تین فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) دنیا و آخرت کے مصائب دور ہوجاتے ہیں۔(۲) رزق میں برکت ہوتی ہے۔

(۳) اجر عظیم حاصل ہوتا ہے۔

فرمایا: انسان نفس کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے مقامِ ارادت تک پہنچ جاتا ہے پھر درجہ آتا ہے محبت کا، اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور آتا ہے، اگر آدمی دعوی دار متکبر بن گیا تو چھین لیا جاتا ہے۔فرمایا اپنے اساتذہ کی قدر کرو اور کسی کے متعلق انتقامی مزاج درست نہیں۔

بے تکلف زندگی:

حضرت الاستاذ کی زندگی اور باتیں تکلف سے دور تھیں، تصنع کو سخت ناپسند کرتے۔ اگر کوئی طالب علم بتکلف مشکل گاڑھی اردو بولتا تو ٹوک دیتے۔ جیسے کوئی کہتا کہ حضرت آپ نے

وقت دے کر ذرہ نوازی فرمائی، مجھ عاجز پر کرم فرما کر خوردہ نوازی فرمائی وغیرہ۔بعض زبان زد عام الفاظ کو بھی ناپسند کرتے جیسے حقیر فقیر، احقر الوری وغیرہ۔فرماتے: العبد الضعیف تک تو ٹھیک ہے لیکن لوگ ایسے الفاظ اپنے بارے میں لکھتے ہیں اگر کوئی ان ہی الفاظ سے مجلس میں پکارے تو غصہ ہو جائیں۔آپ خوب فیاض اور بہترین مضیف (مہمان نواز) تھے، اپنے طلباء کی بھی ضیافت فرماتے اگر کوئی تکلف کرتا تو بہت پیار بھری ڈانٹ کا سامنا کرتا۔آپ کے اندرون خانہ سے چائے کا کپ ہمیشہ لبریز ہوکر آتا جو لب سوز ہوتا۔گرما گرم چائے نہایت نفیس اور عمدہ ہوتی۔ بعد میں آپ کے گھر کی گرین ٹی مشہور ہوئی۔

آپ اپنے طلباء کو خدمت لینے کا موقع دیتے اس میں بھی تکلف نہ فرماتے، لیکن آپ خدمت پر مقرر کر کے بھول نہ جاتے، ایک مرتبہ فرمایا کہ بعض اساتذہ ایسے ہوتے ہیں کسی طالب علم کو کہا کہ پیر دباؤ وہ پیر دباتا رہتا یہ محترم بھول جاتے کہ کب سے میں نے اسے دبانے پر مامور کر رکھا ہے۔ راقم نے کئی مرتبہ استاذ محترم کے پیر دبائے ہیں اور سر پر مالش کی ہے میرے ہاتھ درد کرنا شروع ہوتے، حضرت اس سے پہلے ہی ''بس'' بول دیا کرتے تھے۔اب تو آپ کو حضرت لکھا جا رہا ہے لیکن آپ حضرت کہلوانا بالکل پسند نہیں فرماتے۔

بہت سے بزرگوں کے بارے میں سنا ہے کہ ان کی ابتدائی زندگی سخت مشقت اور غربت و مسکنت والی ہوتی تھی اخیر میں اللہ تعالیٰ ان پر وسعت فرمادیتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ مقولہ مشہور ہے کہ بزرگوں کے آخری احوال نہیں بلکہ ابتدائی احوال دیکھو۔ آخر زمانے کی فتوحات دیکھ کر کوئی دھوکا کھا سکتا ہے۔لیکن حضرت الاستاذ مسکین تھے مسکین رہے اور مسکین گزر گئے، بسا اوقات آپ کے گھر میں پانچ سو اور ہزار روپے بھی نہیں ہوا کرتے تھے۔

قلم کی حفاظت:

آپ کی تمام تر تصانیف مقبول ہوئیں بالخصوص آپ کا ترجمہ بہت پسند کیا جاتا، استاذ محترم نے ایک مرتبہ قلم ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ ''میں نے اس سے کبھی ناحق بات نہیں لکھی۔'' (میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہی حضرت کی تصنیفوں کی مقبولیت کا راز ہے)

ناول پڑھنے کی قباحت اور درسی کتابوں کی تاکید:

ایک مرتبہ نصیحت فرمائی کہ عملیات کی کتابیں اور ناولوں کو کبھی ہاتھ مت لگانا کیوں کہ ناولیں

پڑھنے سے جھوٹ بولنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ مطالعہ کی عادت ڈالنے کے لیے کوئی غیر درسی عمدہ کتاب پڑھے جس میں دل لگے، اگر طبیعت اکتا جائے تو اسے رکھ دے اور درسی کتابیں ضرور پڑھے چاہے طبیعت اکتا جائے۔ اگر غیر درسی کتابیں پڑھے گا اور درسی کتابوں میں محنت نہیں کرے گا تو وہ مقرر اور صحافی تو بن جائے گا یا مودودی بن جائے گا لیکن مدرس نہیں بن سکتا۔

فرمایا دیوبند میں جب اختلاف ہوا تھا تو اساتذہ کی قلت ہوگئی، دہلی سے اساتذہ پڑھانے کے لیے طلب کیے گئے، ایک عالم ماہر مضمون نگار تھے خارجی مطالعہ وسیع تھا لیکن درسیات میں کمزور تھے، طلباء کے سامنے نہیں چلے تو واپس بھیج دیے گئے۔

میں (راقم) نے زمانہ طالب علمی میں ایک سوال کیا تھا تو جواب نہیں دیا اور حکم دیا کہ خود تلاش کرو اس لیے کہ انسان کو اگر پکی پکائی روٹی مل جائے تو وہ اسی کا عادی ہو جاتا ہے اور اگر وہ محنت اور مطالعہ سے حاصل کرے تو اس میں تحقیق اور جستجو کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

استاذ محترم کا اپنے درس کے تئیں گمان:

مختلف مضامین میں آپ نے استاذ محترم کے درس کی خصوصیات پڑھی ہوں گی، تصور قائم ہوتا ہے کہ آپ میدان تدریس میں انفرادی خصوصیت رکھتے تھے، آپ ایک کامیاب مدرس تھے اور ''الاستاذ'' آپ کی پہچان تھی۔ لیکن ہمارے محترم استاذ اپنے متعلق کیا گمان رکھتے ہیں ذرا اس کا بھی اندازہ کیجیے۔ ۲۰۱۸ء میں، میں نے اپنی ضرورت کی بنا اور اپنے بعض تلامذہ کی فرمائش پر ''استاذ'' سے درخواست کی کہ آپ اپنے جلالین کے درس کی ریکارڈنگ کرالیں مجھ جیسے بہت سے مطالعہ چوروں کا فائدہ ہو جائے گا اور درس جلالین کا طرز بھی سیکھنے مل جائے گا تو ''استاذ'' نے منع فرمادیا، ایک سال بعد دوبارہ درخواست کی تو کہا کہ ''میں اپنے عیوب عام نہیں کرنا چاہتا۔'' چند ماہ بعد دوبارہ آیا میں نے جلالین کے درس میں شرکت کی فرمائش کی تو فرمایا: ''کچھ اچھا کام کرلو۔''

تدریس جلالین میں کس کتاب سے امداد لیں؟

میں نے جلالین کی تدریس میں پیش آنے والی دشواریاں استاذ کے سامنے رکھیں تو استاذ نے فرمایا چوں کہ آپ نے ترجمہ نہیں پڑھایا ہے اس لیے پہلے ترجمہ پختہ کریں اس کے بعد جلالین

کے حاشیہ سے مدد لیں پھر ضرورت پڑے تو ''المفصل'' دیکھیں۔اردو تفاسیر میں معارف القرآن ادریسی کے مطالعہ کو پسند فرماتے تھے، البتہ اس وقت اس کا مشورہ نہیں دیا تھا۔

اور فرمایا: ''اپنے مطالعہ پر کبھی اعتماد مت کرنا، درس گاہ جانے سے پہلے کبھی نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مانگ لیا کرو کہ اے اللہ! سمجھنا اور سمجھانا آسان فرما میرے طلبا مجھ سے مطمئن ہو جائیں اور گھر سے نکل کر درسگاہ جانے تک اَللّٰھُمَّ اٰتِنِیَ الْحِکْمَۃَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ، رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي، وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي، وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي. دعا کا ورد رکھو۔

فرمایا میں جب کبھی کوئی کتاب پہلی مرتبہ پڑھاتا ہوں تو اس کا پہلے سال چار یا پانچ مرتبہ مطالعہ کرتا ہوں دوسرے سال چار مرتبہ تیسرے سال تین مرتبہ اور دوسرے سال دو مرتبہ مطالعہ کرتا ہوں پھر دو مرتبہ سے کم مطالعہ نہیں کرتا ایک مرتبہ رات میں کرتا ہوں اور ایک مرتبہ تدریس کے لیے جانے سے پہلے۔

نو وارد کے آپ کے بارے میں تصورات:

ایک مرتبہ میں ہمارے ایک بزرگ ساتھی کو ''استاذ'' سے ملاقات کے لیے لے گیا، انھوں نے استاذ سے کچھ رہنمائی چاہی تھی۔ وہ بات ان کو ابھی تک یاد ہے۔وہ مجھے مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''دو سال پہلے آپ نے ملاقات کرائی تھی ملاقات کر کے طبیعت بہت خوش ہوئی تھی۔آپ نے جب میرا تعارف تدریس کے سلسلے میں کرایا تو فرمایا مولوی صاحب استاد پہلے سال کتاب پڑھتا ہے دوسرے سال سمجھتا ہے اور تیسرے سال پڑھانے کا ڈھنگ آتا ہے یہ بات مجھے بہت پسند آئی اور ماشاء اللہ بہت پتے کی بات ہے۔اللہ پاک حضرت والا کے درجات بلند فرمائے اپنی شایان شان رتبہ اور مرتبہ عطا فرمائے۔''

شرح عقائد:

استاذ محترم جو کام شرح العقائد پر کر رہے تھے اس کی بڑی فکر تھی، عذاب القبر تک جو بحث مشکل سمجھی جاتی اور بہت سے مدارس میں صحیح مدرّس نہ ملنے کی وجہ سے ان مباحث کو نصاب ہی سے خارج کر دیا گیا ہے، ''استاذ'' نے اس کا سلیس ترجمہ کر دیا ہے اور اس پر مختصر مفید فوائد بھی لکھ دیے ہیں۔

کبھی بڑے قلق کا اظہار بھی فرماتے کہ صرف رمضان کی تعطیلات ہی میں تصنیف کا کام کر پاتا ہوں، پورے سال موقعہ نہیں ملتا، جب ''استاذ محترم'' کو میں نے بتایا کہ شرح العقائد کی تدریس میرے ذمہ آئی ہے تو حضرت نے اپنا مسودہ مجھے نکال کر دیا، اس وقت تک فوائد نہیں لکھے گئے تھے صرف ترجمہ میرے پاس تھا میں نے اس کا زیراکس کروا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ واقعتاً ترجمہ کمال کا ہے۔ شرح العقائد کی کئی اردو شرحیں لکھی گئیں ہیں لیکن جو بات حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب گونڈوی دامت برکاتہم اور ''استاذ محترم'' کے ترجمہ میں ہے دیگر شارحین کے تراجم میں وہ بات نہیں۔ سلیس بامحاورہ ترجمہ کیا گیا ہے اگر صرف ترجمہ ہی پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مستقل علم کلام پر کوئی جامع کتاب لکھی گئی ہے کسی کتاب کا ترجمہ نہیں ہے، ایک ہوشیار طالب علم ترجمہ کو ہی دو تین مرتبہ پڑھ لے تو بہت سی جگہوں پر شرح دیکھنے کی نوبت نہیں آئے گی۔

فرمایا: شرح عقائد میں صرف قدیم مثالوں پر اکتفاء نہیں کرنا چاہیے بلکہ نئی مثالیں بھی ذکر کرنا چاہیے۔ جیسے علامہ تفتازی رحمۃ اللہ علیہ نے ''خردل'' اور ''جبل'' کی مثال دی ہے تو ''نملہ'' اور ''جمل'' کی مثال بھی بیان کردو، اس سے طلباء کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ فرمایا: اس عمر میں شرح العقائد ملی ہے پھر بھی خوش ہوں کہ اس فن سے زیادہ مناسبت نہیں تھی اس سے کچھ مناسبت ہو جائے گی، فرمایا کہ پڑھنے کے زمانے کا صرف اتنا یاد ہے کہ ہمارے استاذ أَسْبَابُ العِلْمِ ثَلَاثَةٌ، وَالعِلْمُ بِهَا مُتَحَقِّقٌ. بہت زور دے کر بولتے تھے۔ اور کچھ یاد نہیں۔

''استاذ'' نے بہت عمدہ طریقے سے شرح العقائد کی تدریس فرمائی ہے اگرچہ مولانا سے شرح العقائد پڑھنے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی لیکن عقلیات میں سے ایک اہم کتاب ''قطبی'' جس کو علم منطق کی بخاری شریف کہا جاتا ہے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ مولانا علوم عقلی کس طرح پڑھاتے ہیں۔ قطبی کی عبارت کی بھی نہایت آسان تقریر فرماتے۔ پڑھتے وقت ہم سوچتے تھے کہ قطبی کو خوامخواہ بدنام کر رکھا ہے کہ مشکل کتاب ہے۔ استاذ محترم کے درس کی یہ خصوصیت تھی کہ خشک کتاب تر معلوم ہوتی اور اس کتاب کو پڑھنے میں لذت محسوس ہوتی تھی۔

الکلام فی القدر:

شرح العقائد کی تقدیر کی بحث آپ بہت عمدہ اور سہل انداز میں سمجھاتے تھے، حتی کہ مدرسہ

میں مشہور ہو گیا تھا کہ اگر ''قدر و افعال العباد'' کی بحث کسی کو سمجھنا ہو تو وہ ''استاذ'' کے پاس چلا جائے، طلباء اس لیے آتے بھی تھے۔ گھر کی گفتگو میں اس کی ایک جھلک مجھ کو بھی دیکھنے ملی وہ پیش خدمت ہے: اس سے پہلے ایک تمہید سمجھ لیجیے۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ افعال العباد کے خالق عباد خود ہیں، بندہ مختار کل ہے اور جبریہ کہتے ہیں بندہ اپنے افعال میں مجبور محض ہے ''کالمیت فی ید ی الغاسل'' (مردہ بدست زندہ) جب کہ اہل حق اس بات کے قائل ہیں کہ خالق اللہ تعالیٰ ہیں البتہ بندہ ''کاسب'' ہے۔ بندے کو ایک جزوی اختیار دیا گیا ہے جس کو قدرت غیر مستقلہ کہہ سکتے ہیں، بندہ اپنی اس صفت اختیار میں بھی غیر مختار ہے لیکن اس کو مختار کہا جائے گا جیسے وہ اپنی صفت سمع میں غیر مختار ہے لیکن اس کو سمیع کہا جاتا ہے۔ افعال کا صدور اللہ تعالیٰ کی قدرت مستقلہ سے بواسطہ بندے کی صفت غیر مستقلہ کے ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس فعل کی نسبت بندے کی طرف کی جاتی ہے۔

گفتگو کے دوران اس بات کو مولانا نے ایک مثال سے سمجھایا (اللہ کرے میں صحیح ترجمانی کرسکوں) کہ ایک بجلی پاور ہوتا ہے وہاں سے بجلی آتی ہے، اور وہ بٹن اور اس کے بورڈ کے واسطے سے پنکھے کی طرف پہنچتی ہے۔ اگر بجلی گھر سے کنکشن نہ آئے تو لاکھ بٹن دباؤ پنکھا نہیں چلے گا لیکن اگر بجلی گھر سے پاور کا راستہ صاف ہے تو بٹن آن کرنے سے فوراً پنکھا چلنا شروع ہو جائے گا، اصل پنکھا چلانے والا بجلی گھر ہے اور بٹن آن کرنے سے پنکھا چلتا ہے، اس لیے پنکھے کے چلنے کی نسبت بٹن کی طرف کرنا بھی درست ہے، اگر بٹن ہی نہ دبایا جاتا تو پنکھا نہ چلتا۔

اسی طرح افعال عباد ہے افعال کا خلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے لیکن بندے کی صفت اختیار کے واسطے سے۔ اگر بندہ کسب و اختیار نہ کرتا تو افعال کا خلق نہ ہوتا (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی سنت مستمرہ ہے) لہٰذا افعال کی نسبت بندے کی طرف درست ہے کہ اس کا واسطہ موجود ہے۔ ہاں! وہ خالق نہیں ہے کیوں کہ قوۃ مستقلہ کے بغیر وہ کچھ نہیں کرسکتا اور وہ مجبور محض بھی نہیں ہے کیوں کہ جزوی اختیار، کسب اس کو حاصل ہے۔ (مولانا کا کلام مکمل ہوا)

آپ ایک معنوی اور عقلی بات کو حسی مثال اور گرد و پیش و برتنے کی اشیاء سے مثال دے کر سمجھانے میں اپنی مثال آپ تھے۔ فرمایا کہ اس مرتبہ مفتی ابو بکر صاحب نے شرح العقائد کا پرچہ بنایا: کہہ رہے تھے کہ اکثر بچوں نے خوب لکھا ہے، پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک سیال اور مخترع ذہن کے مالک تھے، اپنے میدان میں یعنی میدان تدریس وتصنیف میں آپ تقلید محض کے روادار نہ تھے کہ جس طرح چل رہا ہے چلتے رہنے دیا جائے بلکہ آپ کچھ انوکھا ممتاز کرتے۔ ایک زمانہ تھا گجرات میں درسی کتابوں پر کام کرنے کا رواج نہ تھا، اور جہاں کہیں کام ہوتا تھا تو ترجمہ اور شرح لکھ دیا کرتے۔ ''استاذ محترم'' گجرات میں ان پہلوں میں سے ہیں جنھوں نے درسی کتابوں کی عبارتوں پر اور ان پر حواشی وتعلیق کا کام کیا، اور پھر دیگر حضرات نے بھی اس میدان میں کام کیا تو عموما مولانا ہی کی طرف رجوع کیا۔

حضرت مفتی ابوبکر صاحب کے متعلق مزاح اور الحزب الاعظم: فرمایا کہ میں نے اور مفتی ابوبکر صاحب نے ''الحزب الاعظم'' پر کام کرنے کا ارادہ کیا تو تصحیح وتخریج کا کام مفتی ابوبکر نے اپنے ذمہ لیا اور ترجمہ کا میرے ذمہ آیا مفتی ابوبکر صاحب نے تو تقریباً ایک مہینے میں اپنا کام مکمل کر لیا اور میرا کام ایسا ہی ہوتا ہے یعنی سست۔ فرمایا کہ (مفتی) ابوبکر اگر بریلوی ہوتا تو دیوبندیوں کے ناک میں دم کر دیتا۔

الحزب الاعظم کا ترجمہ:

بہر حال آپ کا الحزب الاعظم کا ترجمہ بہت مشہور ہوا اور برصغیر میں ابھی یہی متداول ہے۔

فرمایا کہ ایک دوست نے کہا کہ تو نے جو ''صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ'' کا ترجمہ کیا ہے اس سے مجھے اب سمجھ میں آیا کہ اس کا کیا مفہوم ہے، پہلے جس سے پوچھتا تو یہی جواب ہوتا کہ اس کے معنی درود بھیجنا اور آج تک درود کو سمجھ نہیں سکا تیرے ترجمہ سے مجھ کو سمجھ میں آ گیا۔ استاذ محترم نے ترجمہ کیا ہے ''یا اللہ! تو محمد کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔''

فرمایا کہ بعض مرتبہ کسی لفظ کا ایک ترجمہ چل پڑتا ہے اسی کو نقل کیا جاتا رہتا ہے جس سے بات سمجھنا دشوار ہو جاتی ہے جیسے هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ اب اس کا ترجمہ کیا جائے ''ہدایت ہے متقیوں کے لیے'' تو عام آدمی کو سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا کہیں اس کا ترجمہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کا کیا جائے، کہیں گناہوں سے بچنے والوں سے کیا جائے، کہیں پرہیز گار کیا جائے۔

استاذ محترم کی خوش اخلاقی:

ہدیہ کا بدل دینے کا آپ کا معمول تھا اگر دینے کو کچھ ہوتا تو دیتے ورنہ اچھے انداز سے

شکریہ ادا کرتے اور دعاؤں سے نوازتے۔ اگر کوئی احسان کرتا تو قولاً وعملاً شکر گزاری فرماتے کبھی خوب دعائیں دیتے۔ کبھی دعاؤں کے ساتھ جدائیگی کے موقع پر معانقہ کرتے تو کبھی ماتھے پر بوسے سے شرف بخشتے الحمد اللہ ایک مرتبہ ماتھے پر بوسے کا شرف بندے کو بھی حاصل ہے۔

عموماً ہدیہ دینے کے لیے آپ کے پاس اپنی تصنیف کردہ کتابیں ہوتی تو اس پر اپنے ہاتھ سے نام لکھ کر عزت بخشتے۔ آپ شکریہ کی تعلیم بھی خوب دیتے۔ فرماتے: مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ. (ترمذی)

بندے کا اپنا خیال یہ ہے کہ: اپنے طلباء کو نصیحت کردہ باتوں پر سب سے زیادہ خود عمل کرنے والے اساتذہ بہت کم دیکھنے کو ملتے ہیں، اگر کسی کو ''رشید احمد'' دیکھنا ہو تو ان کے فرمودات کو دیکھ لے وہ اپنے فرمودات پر مکمل طور پر عامل تھے۔

جس سال میں دار العلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھا۔ مولانا کا اپنے سعادت مند طلباء کے ساتھ دیوبند کا سفر ہوا۔ ہم چار نادار طالب علموں نے سوچا کہ استاذ محترم کی کچھ ضیافت کی جائے۔ کھانا تو غالباً مولانا نور عالم صاحب مدظلہ کے یہاں تھا اس لیے ناشتہ کی ضیافت کا اہتمام کیا جائے ہم نے ناشتے میں انڈے کی بھرجی بنائی اور مولانا اور ان کے خدام کی دعوت کی، نہ تو وہ بھرجی اتنی لذیذ تھی نہ ہی کھانا بنانے والے ماہر ہاتھ تھے لیکن مولانا نے رغبت سے کھایا اور تعریف فرمائی۔

نقوشِ علم کا ادب:

دار العلوم ثانویہ کے ایک استاذ نے اردو اخبار بطور دسترخوان بچھا دیا تھا تو استاذ محترم نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ''سنا تھا کہ دار العلوم کا اوڑھنا بچھونا علم ہے یہاں مشاہدہ کر لیا کہ کھانا پینا بھی علم ہے۔'' آپ نے وہ اخبار وہاں سے ہٹایا اور اچھی جگہ رکھ دیا۔ فرمایا ان نقوش کا بھی احترام ہونا چاہیے۔

رات دار العلوم کے مہمان خانے کے عام ہال میں گزاری، ''رات کا وقت'' مولانا کی مجلس کا خاص وقت ہوتا تھا۔ ہم چار طالب علم اور ساتھ آئے خدام مولانا کے ہمراہ جمع ہوئے، تو قاری عبد العزیز صاحب نے ہم کو دار العلوم کے قضیہ نامرضیہ کے بارے میں سوال کرنے پر برانگیختہ کیا، چوں کہ جن سالوں میں وہ قضیہ پیش آیا تھا، مولانا وہیں متعلّم تھے۔ ہم میں سے کسی نے استفسار کر لیا۔ پھر کیا تھا؟ با لتفصیل قضیہ کے بند پہلو کھولنا شروع کیے اور آہستہ آہستہ تاریخ

کے پنّے کھلتے گئے۔ پہلے آواز دھیمی اور رفتار سست تھی۔ آہستہ آہستہ آواز بلند اور رفتار تیز ہوتی گئی اور بولنے میں تسلسل ایسا کہ ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا سننے والے اس قدر محو تھے کہ نہ وقت کا پتا تھا نہ نیند کا۔ آپ ایک مؤرخ کی طرح تاریخ کے تمام پہلوؤں کو اجاگر فرمارہے تھے اور ایک انصاف پسند کی طرح منصفانہ تجزیہ کرتے جارہے تھے۔

مولانا نور عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلقات:

مولانا نور عالم صاحب سے آپ کو کافی لگاؤ تھا۔ جانب آخر کا بھی یہی حال تھا۔ جب بھی مولانا نور عالم صاحب خلیل امینی ممبئی بہ غرضِ علاج آتے ''استاذ محترم'' ضرور ڈابھیل سے ممبئی کا سفر فرماتے، اور ہدایا وتحائف ساتھ لے جاتے۔

ایک مرتبہ مولانا نور عالم صاحب ''جامعہ'' آنے والے تھے اور ہم عربی پنجم یا ششم میں تھے۔ آپ نے ہم چند طلبا کے سامنے مولانا کی خوب تعریف کی۔ حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی ان کے بارے میں رائے سے آگاہ فرمایا کہ آپ ان کے ترجمہ اور کام سے بہت مطمئن تھے اور آپ کی بہت سی اردو کتابوں کا عربی ترجمہ انھوں نے ہی کیا، لہٰذا تم ان کی قدر کرو۔ وہ آرہے ہیں تو خوب استفادہ کرو۔ فرمایا کہ مولانا نور عالم صاحب ہمارے استاذ نہیں ہیں لیکن میں انھیں استاذ سمجھتا ہوں، استاذ جیسا احترام کرتا ہوں۔

اساتذہ کا ادب و احترام:

فرمایا جس وقت میں ''ماٹلی والا'' میں ناظم تعلیم تھا اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب بٹنی مدظلہ ''ماٹلی والا'' سے رخصت ہو رہے تھے تو مجھ پر خوب دباؤ تھا کہ ان کے استعفاء نامہ پر ''ایک خاص بات'' لکھ دوں۔ لیکن میں اس کو صحیح نہیں سمجھتا تھا لہٰذا میں نے نہیں لکھی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے قلم سے ناحق بات لکھنے سے ہمیشہ بچائے رکھا ہے۔

آپ کا اپنے اساتذہ سے ان کی حیات میں جو ادب و احترام اور محبت کا تعلق تھا وہ وفات کے بعد بھی باقی رہا بلکہ افزوں تر ہوتا گیا، آپ ان کا ذکر خیر کرتے رہتے اور محبت کا اظہار بھی فرماتے۔ ایک مرتبہ فرمایا: میرے کچھ طلباء دار العلوم دیوبند میں پڑھتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ''ہمیں آپ کی یاد آتی ہے۔'' تو میں نے کہا: ''جب میری یاد آیا کرے تو میرے استاذ مولانا وحید الزماں

کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ پر کچھ قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کر دیا کرو۔"

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بڑا عاقل، ذہن رسا اور تیز فہم بنایا تھا۔ ایک مرتبہ جب دیوبند مدرسہ میں نئی بلڈنگ بنی تو کرائے پر رہنے والے طلبا نے درخواستیں دیں۔ میں نے اور میرے ساتھیوں نے بھی درخواست دی۔ ہماری درخواست کی منظوری کے لیے ہم ساتھیوں کو بلایا گیا۔ کسی نے کہہ دیا ہم کرائے پر رہتے تھے۔ دریافت کیا کہ کتنا کرایا؟ کہا گیا ۱۵۰/ روپے تو فرمایا کہ اب آپ لوگوں کو کمرہ نہیں ملے گا اس لیے کہ سب سے پہلے غریب طلبا کا حق ہے جو دس، بیس روپے دے کر کرائے پر رہ رہے ہیں۔

"استاذ" ڈابھیل کے اساتذہ کی بھی قدر فرماتے اگرچہ وہ آپ کے اساتذہ نہیں تھے۔ آپ تلمیذوں سے فرماتے کہ آپ لوگوں کو قدر کرنا چاہیے، آپ لوگوں کو اچھے اساتذہ ملے ہیں۔ مہتمم صاحب کے استغناء کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: میں مہتمم صاحب کے دفتر گیا ہوا تھا ایک شخص موٹر کار سے نکل کر پیسوں سے بھرا تھیلا لایا۔ مہتمم صاحب نے لے کر ایک طرف رکھ دیا۔ کچھ باتوں کے بعد وہ چلا گیا۔ مہتمم صاحب اپنی ہیت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اگر اور کوئی مہتمم ہوتا تو کھڑا ہوتا، خوب آؤ بھگت کرتا، خادموں کو دوڑاتا لیکن آپ کے مہتمم صاحب نے ایسا کچھ نہیں کیا۔

درس قرآن کی خصوصیت:

آپ کا درس بھی حشو زوائد سے پاک ہوتا تھا نہ ہی اس قدر مختصر ہوتا کہ عبارتیں تشنہ رہ جائیں۔ نہ اس قدر طویل کہ اصل کتاب فہمی ہی ہاتھ سے نکل جائے۔ ہم کو آپ کے درس میں حضرت مولانا واجد حسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے درس کا عکس نظر آتا تھا۔ درس قرآن میں نہ تو نحوی ترکیبوں کی بھرمار ہوتی نہ صرفی تعلیلوں اور لغت کے ابحاث کی، نہ ہر جگہ استعارۃ و کنایۃ، مجاز عقلی و مجاز مرسل کی وضاحت، نہ فقہی بحثوں اور فقہاء کے اقوال کا انبار لگاتے، نہ درس قرآن قصے کہانیوں کی مجلس بناتے کہ ایک ایک آیت کے کئی شان نزول بیان کیے جائیں اور نہ ہی اسرائیلیات کی آماجگاہ بناتے۔

آپ مشکل جگہ اشارہ فرمادیتے کہ یہ بدل واقع ہو رہا ہے، مفعول ثانی ہے یا کچھ اور، بعض خاص مقامات پر ترکیب بھی فرماتے، اسی طرح آپ مجاز مرسل وغیرہ ہونے کی طرف کہیں کہیں ہلکا سا اشارہ بھی کرتے۔ فقہاء اور متکلمین کا کہیں کچھ اختلاف ہوتا تو مختصراً اس کو بھی ضرور

بیان کر کے وضاحت فرماتے۔حضرت اس بات کا اہتمام رکھتے کہ درس قرآن درس، قرآن باقی رہے، اللہ تعالیٰ کی مراد واضح ہوجائے اور طلباء اس کو سمجھ سکیں۔(فقہاء، متکلمین، نحاۃ اور بلغاء کے کلام کی بہت زیادہ آمیزش کے بغیر۔) البتہ درس قرآن میں مثالیں موقع کی مناسبت سے لازماً دیتے اور آیتوں کے درمیان میں ربط ضرور بیان کرتے اور خود فرماتے کہ قرآن کی آیتیں باہم مربوط ہیں اور سبق میں ربط بیان کرنے کا اہتمام سے التزام فرماتے۔

درس قرآن کی جھلکیاں:

آپ عقیدہ سے متعلق باتوں کو مثال سے سمجھایا کرتے تھے، جیسے استواء علی العرش کا مسئلہ میں فرمایا: عرش اللہ تعالیٰ کی تجلی گاہ ہے، عرش نے اللہ تعالیٰ کو گھیر لیا ہے یا اللہ تعالی عرش پر متمکن ہے یہ معنی نہیں ہوں گے العیاذ باللہ۔ جیسے دیکھو سورج ہے بہت بڑا ہے آسمان میں ہے اب اگر کوئی آئینہ ہاتھ میں لے تو پورا سورج اس میں آجاتا ہے تو ایسا نہیں کہیں گے کہ آئینہ نے سورج کو گھیر لیا اور سورج آئینہ میں متمکن اور قرار پکڑے ہوئے ہے۔

① مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ.

فرمایا: اس آیت میں تنبیہ ہے ان صحابہ پر جن کو غزوہ احد میں پہاڑ پر مقرر کیا گیا تھا پھر وہ اتر آئے تھے لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ اگر صرف عَفَا عَنْكُمْ بھی فرماتے تو بات مکمل ہوجاتی لیکن تاکید کے ساتھ فرمایا اور جہاں کہیں صحابہ پر کسی بات کے سلسلے میں تنبیہ کی ہے وہاں معافی کا بھی تذکرہ ساتھ ہے، مقصد اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو تنبیہ فرمائی ہے اس پر ہم کو اپنی زبان گندی ہرگز نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ وہ تو محبوب اور محب کی بات ہے، اور بعد میں دیکھو کیا ہے وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ یعنی گویا کہ کوئی قصور ہوا ہی نہیں۔ جیسے میاں اپنی بیوی کو ایسے الفاظ بھی کہہ دیتا ہے جو بظاہر اچھے نہیں ہوتے لیکن بیوی کو اچھے لگتے ہیں لیکن بچے ان الفاظ سے اپنی ماں کو نہیں پکارتے۔

اور جیسے میاں بیوی کا جھگڑا ہوا دونوں نے آپس میں ایک دوسرے کو کچھ کہا پھر کھچڑی پک گئی اور معافی تلافی ہوگئی پھر کوئی میاں یا بیوی کو ورغلائے تو وہ مار کا مستحق ہوتا ہے کہ یہ ہمارا آپسی معاملہ ہے آپ بولنے والے کون ہوتے ہو۔

اور جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''ابو التراب'' سے خطاب فرمایا اور یہ کنیت ان کو سب سے پیاری لگتی تھی لیکن کسی اور کو نہیں بولنا چاہیے۔ بظاہر کوئی بات آسان اور واضح معلوم ہوتی ہے کہ اس کے لیے مثال کی کیا ضرورت؟ لیکن ایک عربی چہارم کے طالب علم کے نزدیک بات سمجھنے کے لیے وہ مثال کتنی اہمیت رکھتی ہے اس کا صحیح اندازہ وہی طالب علم لگا سکتا ہے جو باقاعدہ تعلیم حاصل کرتے ہوئے عربی سوم کے بعد چہارم میں گیا ہو۔

② هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ.

فرمایا کہ جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لیے قرآن نصیحت کا سامان ہے، جیسے کوئی آدمی تہہ خانہ میں بیٹھ جائے اور سورج کی روشنی آنے کے تمام دروازے بند کر دے اور کہے کہ ہم کو تو سورج کی روشنی سے کچھ فائدہ ہی نہیں ہوتا اور لوگ کہتے ہیں کہ سورج کی روشنی بڑی کام کی ہے! تو اس سے یہی کہا جائے گا کہ سورج کی روشنی مفید ہے اس شخص کے لیے جو سورج کی روشنی سے فائدہ حاصل کرنا چاہے۔ اسی طرح کوئی حکیم کی دوا استعمال نہ کرے اور کہے کہ حکیم کی دوا غیر مفید ہے، لہٰذا اسے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ تو اسے بھی یہی کہا جائے گا کہ یہ مفید ہے اس شخص کے لیے جو استعمال کرنا چاہے۔

③ بِيَدِكَ الْخَيْرُ کے متعلق فرمایا: ہمارا عقیدہ ہے کہ خیر اور شر سب کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں۔ سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے لیکن شر کی نسبت ادباً اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی جاتی جیسے صالح جنات نے کہا تھا: وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا. (ہمیں نہیں معلوم کہ اس سے زمین پر رہنے والوں کو کوئی تکلیف پہچانا منظور ہے یا ان کے رب نے ان کی بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے)

یا یوں کہہ لیا جائے کہ خیر ہی میں شر مضمر ہے جیسے کوئی حسینہ ہے یہ خیر ہے لیکن اس کے اندر بہتا خون ہے، انتڑیاں ہیں، پاخانہ جمع ہونے کی تھیلی ہے اگر ان سب کو انفراداً ایک تھالی میں لاکر کسی کے سامنے پیش کیا جائے تو جس حسینہ کو وہ خیر سمجھ رہا تھا اس کے اجزاء سے گھن کرے گا لیکن اگر وہی اجزاء قرینہ سے اپنی جگہ پر موجود ہوں تو وہی مرغوب بھی ہیں، یعنی باعتبار انفراد کے شر ہے اور باعتبار اجتماع کے خیر ہے۔

④ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ

عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.

یہ آیت بہت وسیع المفہوم ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کئی طریقوں سے ہوسکتا ہے اور ملک میں اسلامی قوانین عدل و انصاف قائم کروانا سب سے بڑا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

⑤ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ کے متعلق فرمایا کہ اس میں اشارہ ہے کہ میاں بیوی کا بستر ایک ہونا چاہیے۔ چاہے بوڑھے ہو جائیں، آج اس حکم کے سلسلہ میں غفلت ہے۔ اگر کسی کے دیکھنے کا ڈر ہو تو دروازے کھڑکیاں بند کر لیے جائیں لیکن ساتھ سونے کا اہتمام ہونا چاہیے۔

استاذ محترم کا اپنے طلبا کے ساتھ برتاو اور ان کی مجلس:

بہت لگتا تھا دل صحبت میں ان کی وہ اپنی ذات میں اک انجمن تھے

اپنے پاس آنے والے طلبا کے ساتھ (چاہے وہ زیر تعلیم ہوں یا فاضل کا لقب پا چکے ہوں) آپ کا برتاو ایک شفیق، خیر خواہ اور بزرگ دوست کا ساتھا، آپ کی مجلس میں بیٹھا کوئی ادنی سا طالب علم بھی بے آرام یا بتکلّف بیٹھا ہوتا تو اس کو آرام دہ نشست کے لیے زور دیتے طلبا سے محبت بھی کرتے اور محبت کا اظہار بھی فرماتے۔ ایک طالب علم کے بارے میں فرمایا کہ ”اسے دیکھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔“ یقیناً ایسے جذبات ایک باپ کے بیٹے کے لیے ہوتے ہیں۔

آپ طالب علم کی بات دھیان سے سنتے اور کوئی مزاحیہ بات ہوتی تو طلبا کے ساتھ ہنسی میں بھرپور شریک ہوتے۔ بسا اوقات ان کے پاس ایسی بات کی جاتی کہ پاس بیٹھے ہوؤں کو احساس ہو جاتا کہ کیا بکواس کر رہا ہے لیکن مولانا کبھی ناگواری کا یا اکتاہٹ کا احساس تک نہ ہونے دیتے۔

کوئی سوال کرتا یا مشورہ طلب کرتا تو خندہ پیشانی سے تسلی بخش جواب دیتے۔ آنے والوں پر نہ آپ ضیافت میں بخل کرتے، نہ سوال کا جواب خندہ پیشانی میں دینے میں، نہ توجہات میں اور نہ ہی دعاؤں میں۔ اگر مولانا کے سامنے کوئی اپنی پریشانی یا اپنی بیماری کا تذکرہ کرتا تو بسا اوقات کوئی ورد ماثور بتاتے اور دعا کا دہانہ ضرور کھولتے۔ سچ یہ ہے کہ آپ کے پاس سے جانے والا کوئی محروم نہ لوٹتا، علم وحکمت دین کی سمجھ، دعاؤں یا ضیافت سے حصہ لے کر واپس ہوتا۔

آپ دن بھر کا بڑا حصہ اپنی بیٹھک میں گزارا کرتے تا کہ آنے والے بلا جھجک آسکیں کسی کو یوں محسوس نہ ہو کہ اہل خانہ کے ساتھ مصروف ہوں گے۔ آنے والا جب تک جانے کا اظہار نہ

کرتا مولانا کی توجہات بٹورتا، مجھے یاد نہیں کہ میرے سامنے مولانا نے کسی کو اٹھ کر جانے کہا ہو۔

آپ سہل الوصول تھے ہر ایک آپ سے بآسانی مل سکتا تھا۔ ملاقات کے کڑے اصول نہ تھے، اپنے مخلص شاگردوں کی دعوت بھی آسانی سے قبول کر دلجوئی فرماتے۔فرماتے کہ ہوٹل میں کھانے کے مقابلہ میں کسی کے گھر کھانا بہتر ہے کیوں کہ گھر میں بنائے جانے والے کھانے میں اخلاص، خوش کرنے کا جذبہ، طلب رضائے رب ہوتا ہے جبکہ ہوٹل میں کھانا بنانے والے کا مقصد پیسہ ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ عمرہ کے سفر کے لیے ممبئی آئے تو مٹھائی کا تحفہ پیش کیا گیا تو فرمایا: ''لاؤ لاؤ بھوکے کو کیا چاہیے دو روٹی دو بوٹی'' کچھ لے کر باقی بٹوادی۔

آپ سے فون پر بات کرنے والا بھی اطمینان پاتا فون پر بھی آپ تفصیل سے گفتگو فرماتے، اور دھیان سے باتیں سنتے۔ عام گاؤں والوں کا بھی یہ کہنا ہے کہ ہم کو بھی کسی بات میں الجھن ہوتی تو مولانا ہی سے بذریعہ فون رجوع کرتے اور تسلی اور اطمینان پاتے۔ واٹس اپ پر بھی طلباء رجوع فرماتے تو مولانا میسیجز دیکھ کر وضاحت سے جواب دیتے۔ ایک مرتبہ بندے نے بذریعہ واٹس اپ اطلاع دی کہ ہم نے ایک بیکری اسٹور آج سے شروع کیا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ دعا فرمائیں! آپ نے جواب میں لکھا: (میں آپ سے اس سے قبل دوسرے نکاح کے سلسلے میں مشورہ کر چکا تھا) رَبِحَ الْبَيْعُ أَبَا يَحْيَىٰ کا مصداق بنائے۔ وَزَوَّجَكَ اللّٰهُ ثَانِيَةً خَيْرًا مِنَ الْأُولَىٰ۔ میرے لیے بھی دعا کیجیے گا دو چار دن میں ڈابھیل چلا جاوں گا۔ ان شاء اللہ، والسلام۔ (اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس ''ان شاء اللہ'' کی برکت سے جس کی آپ تاکید پوری زندگی اپنے طلباء کو کرتے رہے، آپ ڈابھیل تشریف لائے اور یہ آپ کا آخری سفر واقع ہوا۔ ڈابھیل آ کر آپ کی طبیعت بگڑی اور آپ جاں بر نہ ہو سکے۔)

جسم تو خاک ہے خاک میں مل جائے گا میں بہر حال حوالوں میں ملوں گا تمھیں

جہاں میں کس کو بقا ملی ہے ہمیشہ کوئی نہیں رہا یہی ہے دنیا کی ریت جاری یہ آنے والا وہ جانے والا

آپ نے ہمیں یہ بھی نصیحت فرمائی تھی کہ موبائل پر بھی اردو میں لکھنے کی عادت ڈالنا چاہیے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب موبائل پر اردو لکھنے کا دستور شاذ تھا۔

آپ کی مجلس میں صحت پر بھی تبصرہ ہوتا، مولانا اپنی صحت سے متعلق بھی بہت حساس تھے۔

ایک بہادر عقل مند اور خود دار آدمی اپنی صحت کی فکر ضرور کرتا ہے اس کو فکر ہوتی ہے کہ میں دوسروں پر بوجھ نہ بن جاؤں۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ چاہت پوری فرمائی۔ آپ صحت مندی میں بیماری کے بعد بہت کم دن علیل رہ کر وفات پا گئے۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بغرض عیادت جانا ہوا تو وہاں ہمارے حضرت مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم بھی پہنچے ہوئے تھے (حضرت مولانا عبد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت ممبئی میں تھے) ان کے درمیان ہوئی گفتگو میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ سے فرمایا کہ ہمارے مدرسین اپنی صحت کا خیال نہیں رکھتے حالاں کہ تدریس زیادہ سے زیادہ فرض کفایہ ہے اور اپنی صحت کا خیال رکھنا فرض عین ہے۔

استاذ محترم اپنے طلباء کی صحت کا بھی خیال رکھتے اور بعض احتیاطی تدبیر بتاتے۔ کسی طالب علم کا پیٹ آگے کو نکل آتا تو فرماتے ''اس چیز میں میری اتباع مت کرو۔'' آپ دوا سے زیادہ پرہیز میں یقین رکھتے۔ استاذ محترم کے پاس جانے والا جانتا ہے کہ آپ پرہیز کرنے میں کتنے سخت تھے۔ ہم جیسے زبان کے چٹورے اس کی صرف بات ہی کر سکتے ہیں۔ ایک مدت تک ناشتہ میں کچے لہسن چبائے ہیں اور چاول اور میٹھا ترک کر دیا ہے تو بطور لذت کے بھی نہیں چکھتے تھے۔

ایک طالب علم نے کہا: حضرت لغات یاد نہیں رہتیں؟ فرمایا: ہمارا کام یاد کرنا ہے۔ ابھی یاد کرلو بعد میں یہی یاد کیا ہوا کام آئے گا۔ آپ طلباء کی حوصلہ افزائی بھی فرماتے۔ اگر کسی طالب علم کے جوابی پرچہ سے خوش ہوتے تو بلا کر تعریفی کلمات کہتے اور ہمت بڑھاتے۔ عربی چہارم میں ایک طالب علم کو بلا کر فرمایا: آپ کا پرچہ پڑھ کر دل خوش ہوگیا، اچھا لکھا ہے۔ بعض طلباء نے عربی میں لکھا ہے لیکن ایسی تفسیر پیش نہیں کی جیسی آپ نے کی ہے۔

ایک طالب علم نے پوچھا حضرت میرا نکاح ہونے والا ہے معاشرۃ النساء اور مباشرۃ النساء سے متعلق رہنمائی فرمایئے تو آپ کھل کر مسکرائے اور فرمایا معاشرۃ النساء تو وہی ہے جو آپ مشکاۃ میں پڑھتے ہو باب معاشرۃ النساء میں اور مباشرۃ النساء سے متعلق فرمایا: ایک مرتبہ حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ فلاح دارین کی درس گاہ میں تھے، کھڑکی سے دیکھا ایک چڑا اور چڑی اوپر نیچے ہیں لہٰذا طلبا سے فرمایا ''دیکھو یہ فطری چیز ہے اس میں تعلیمی کورس کرنے کی

ضرورت نہیں ہے۔"

آپ اپنے شاگردوں سے مشورہ بھی کرتے اور کوئی رائے دیتا آپ دھیان سے سنتے اور مناسب ہوتا تو اس پر عمل بھی کرتے۔ استاذ محترم نے چند دن قبل ایک رسالہ لکھا تھا "مصائب ومحن اور دعوتِ خود احتسابی" اس میں ایک عنوان قائم کیا "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں برتی جانے والی کوتاہی اور تغافل" اس کو کسی ناداں دوست نے اوڈیو بنا کر بیک سائڈ تبلیغی جماعت لکھ دیا اور یوٹیوب پر اپلوڈ کر دیا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بندہ کو بھیجا تو میں نے عرض کیا کہ استاذ محترم ! آپ نے جو لکھا ہے وہ کسی صراحت کے بغیر ہے، اگرچہ بات بالکل واضح ہے کہ تبلیغی جماعت سے ہونے والی کوتاہیاں لکھی گئی ہیں لیکن تصریح میں وہ بات نہیں جو کنایہ میں ہے **الکنایۃ ابلغ من التصریح** استاذ محترم نے بات قبول فرمائی اور کہا کہ صحیح کہہ رہے ہو، اور مجھے نہیں معلوم یہ ایسا کس نے کیا ہے۔

آپ کے پاس سے کوئی اپنے گھر لوٹتا تو آپ اس کے گھر پہنچ جانے کی اطلاع کے منتظر ہوتے اگر ان صاحب کی طرف سے فون نہ آتا تو استاذ محترم فون کر کے پوچھتے "خیریت سے پہنچ گئے زندہ باد؟ آپ نے تو اطلاع ہی نہیں دی۔"

آپ کے نام اور واسطے سے ترقی کرنے والا اگر آپ سے ملاقات نہ کرتا تو آپ کوئی گلہ شکوہ نہ کرتے۔ آپ کے واسطے سے بہت سے طلباء دیوبند اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ یونیورسٹی پہنچتے۔ آپ نہ کبھی زبان سے حرف فخر نکالتے اور نہ ہی لفظِ شکوہ۔ آپ جو کرتے للہ اور طلبا کی محبت میں کرتے۔ آپ اپنی مجلس میں نہ اپنی ضرورت کا اظہار کرتے اور نہ ہی اس کا کنایہ کرتے اگر کبھی اس طرح کی بات نکل جاتی تو دفع دخل مقدر فرماتے۔ آپ کی خودداری کے نہ جاننے والے کو کبھی وہم ہوتا ہوگا کہ ضرورت کے اظہار کا کنایہ فرمارہے ہیں اس لیے کسی مناسب جملے سے اس خلجان کو دور فرماتے۔

عموماً بڑے استاذ کے بچوں میں شہزادگی آجاتی ہے۔ لیکن ہم نے آپ کے بچوں میں سادگی دیکھی ہے۔ آپ نے اپنے بچوں کو تعلیم دی تھی کہ مہمانوں کے سامنے اپنے آپ کو غلام سمجھو۔ اپنے طلباء میں اس بات کو پسند کرتے کہ عالمانہ وضع قطع باقی رہے، اور سامنے کی جیب میں قلم رکھنے کی تاکید فرماتے، فرماتے کہ اگر قلم نہیں رکھو گے تو تبلیغی معلوم ہو گے۔ عمدہ قلم جیب میں

لگاؤ۔موبائل کے بارے میں فرمایا کہ اپنے بچوں کو موبائل سے بچانا بہت ضروری ہے، بچے اسی وقت بچ سکتے ہیں جب کہ خود والدین استعمال نہ کریں، خود موبائل استعمال کیا جائے اور امید رکھو کہ بچے استعمال نہ کریں، دشوار ہے!

استاذ محترم کا ایک واقعہ ہمارے درسی ساتھی قاری احمد پناما نے سنایا کہ استاذ محترم کو کسی نے موبائل ہدیہ کیا آپ نے قبول فرمالیا۔ اتفاق سے یوٹیوب کھل گیا تو آپ کو اتنا ناگوار ہوا کہ آپ نے اس کو بیچ کر کتابوں کے لیے ایک الماری خرید لی۔

ایک مرتبہ مصافحہ کے موقع پر فرمایا آپ لوگوں کے ہاتھ کتنے نرم ہیں بزرگوں کی طرح، ہم نے کہا حضرت کچھ کام نہیں کرتے ہیں نا اس لیے۔ تو فرمایا: تم سے زیادہ بے کار تو میں ہوں کچھ کام ہی نہیں ہے۔

استاذ اپنی تعریف نہ کرتے اور کوئی آپ کی تعریف کرے اس کو بھی پسند نہ فرماتے۔ اگر کوئی تعریف کرتا تو بسا اوقات کوئی مزاحیہ بات بول کر بات کاٹ دیتے۔آپ کی مجلس میں الا کبر فالا کبر کی رعایت کی جاتی۔نصیحتوں میں اکابرین کے واقعات بیان کرنے کے بجائے قرآن کی آیات، حدیث، صحابہ کے واقعات اور اپنے چشم دیدہ اساتذہ کے واقعات بیان کرتے۔

طلباء کی ذہن سازی میں بھی اپنا حصہ لگاتے ایک کشمیری طالب علم کو فرمایا کہ اسلامی ملک چاہے جیسا بھی ہو وہ دار الحرب سے بہتر ہے۔ چاہے جتنا اچھا ہو جیسے صاحب ایمان، چاہے بدعمل ہو لیکن کافر سے افضل ہے۔ اور اس طرح تقریر فرمائی کہ صاحب قبضہ واضح ہوگیا۔

آپ کی طبیعت کی نرمی ذاتی اور فطری تھی بناوٹی نہیں تھی۔ بسا اوقات آدمی باہر سے ملنے والوں کے لیے شیریں زبان اور لین الجانب ہوتا ہے لیکن گھر والوں پر بات بات پر برستا ہے۔آپ کی ذات اس سے مبراء تھی۔ بقول امی جان کے کبھی غصہ میں چڑ کر بات نہیں کرتے۔ گیس کا باٹلہ اور تیل کا ڈبہ جو ایک ماہ سے زیادہ چلتا تھا کبھی بیس پچیس دن میں ختم ہو جاتا تو کبھی باز پرس نہ ہوتی کہ اتنی جلدی کیسے ختم ہوگیا۔ نواسے اور پوتے طوفان کرتے، شور مچاتے کبھی ان پر غصہ نہ ہوتے بلکہ ان کی دل لگی کرتے اور ان کے ساتھ کھیل میں شریک ہوجاتے۔

ایک مرتبہ مجھے فرمایا کہ بچے ہونے کے بعد بیوی کی توجہ شوہر سے کم ہو جاتی ہے۔ اس لیے یہ مت سمجھنا کہ کسی نے کروا دیا ہے۔ اب اتارا کروانا پڑے گا بلکہ یہ ایک فطری بات

ہے۔اب وہ توجہ اس وقت لوٹ کر آئے گی جب بچے بڑے ہو جائیں گے اور اپنی ماں کے بستر سے علاحدہ ہوئیں گے۔

حضرت الاستاذ کا عمل بالحدیث:

ہمارے حضرت مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم حضرت جی ثالث مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مقولہ اکثر کہا کرتے ہیں کہ ”ہم یہ نہیں کہتے کہ تمام سنتوں پر عمل کرو بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جو کرو سنت کے مطابق کرو۔“

حضرت الاستاذ کو ہم نے ایسا ہی پایا۔آپ حتی الامکان سنت پر عمل فرماتے۔سنن الھدی پر اہتمام سے عمل کرتے اور ایسی سنتیں جن پر عموماً لوگوں کی نگاہیں نہیں ہوتیں استاذ محترم ان پر مقدور بھر عمل کرتے۔

① ایک مرتبہ نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِذَا سَبَّبَ اللّٰهُ لِأَحَدِكُمْ رِزْقًا مِنْ وَجْهٍ فَلَا يَدَعْهُ حَتَّى يَتَغَيَّرَ لَهُ أَوْ يَتَنَكَّرَ لَهُ. (سنن ابن ماجہ) یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی کے لیے کسی جگہ سبب رزق مقرر کر دے تو اس کو نہ چھوڑے جب تک کہ وہ سبب رزق اس کے لیے قابل تبدیل اور قابل انکار نہ ہو جائے، یعنی جب تک اللہ تعالیٰ اس جگہ سے اس کو رزق دے رہا ہے تو خوامخواہ اس جگہ کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔

فرمایا کہ راندیر کے کسی مدرسہ سے مجھ کو بلایا گیا اور کہا کہ یہاں آپ کے لیے عمدہ کتابیں، بہترین سہولتیں اور آسودہ رہائش ہوگی لیکن میں نے منع کر دیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہاں میرے لیے کوئی پریشانی نہیں رکھی تو میں کیوں چھوڑوں۔ پھر بعد میں تو آپ کے مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے بھی کو بلایا گیا لیکن مشورے کے بعد انکار فرما دیا۔اربابِ مدرسہ یہ سوچ کر مدعو کیا کرتے تھے کہ:

جہاں رہے گا وہیں روشنی لٹائے گا کسی چراغ کا اپنا مکاں نہیں ہوتا

لیکن آپ کو معمولی بات پر مدرسہ سے علیحدہ ہونا اور الگ ہو کر اپنا نیا مدرسہ قائم کرنا ایسا ہی ناپسند تھا جیسا کہ مولانا نور عالم صاحب ناپسند فرماتے ہیں۔مولانا نور عالم صاحب نے ایک مرتبہ فرمایا دیوبند کی ہر گلی میں ایک دارالعلوم ہے۔(اور یہ بات آپ کو سخت ناگوار تھی)

② حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل موجود ہے کہ جب بھی کسی سے کوئی

چیز خریدتے تو جھکتا تول کر ثمن ادا فرماتے : عَنْ سُوَيْدِ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ: جُلِبْتُ أَنَا وَمُخَرِّفَةُ الْعَبْدِيّ بَزًّا مِنْ هَجَرٍ، فَجَاءَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَاوَمَنَا سَرَاوِيلَ، وَعِنْدَنَا وَزَّانٌ يَزِنُ بِالْأَجْرِ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”يَا وَزَّانُ زِنْ وَأَرْجِحْ“. (سنن النسائی) حضرت سوید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اور مخرفہ عبدی ہجر کا کپڑا لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور سراویل خریدنے کے لیے ہم سے بھاؤ کرنے لگے۔ ہمارے پاس ایک وزن کرنے والا بھی تھا جو اجرت پر تولتا تھا۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے فرمایا: اے وزن کرنے والے! ٹھیک تول اور جھکتا ہوا تول۔ یعنی درہم تھوڑے زیادہ دے۔

پرچہ جانچنے میں آپ کا معمول یہ تھا کہ کل نمبرات کا حساب کرکے مزید دو دو نمبر ہر طالب علم کو زیادہ دیتے۔ فرماتے کہ ہم کو جھکتا تولنے کا حکم دیا گیا ہے، مزید ایک ایک نمبر اس وجہ سے دیتے کہ کہیں جانچنے میں کوتاہی نہ ہوگئی ہو اور دوسرا نمبر فضل ہے بلا استحقاق۔ (حالاں کہ استاذ محترم پہلے ہی جوابی کاپی پر ہلکا ہاتھ رکھتے تھے، زیادہ نمبرات نہیں کاٹتے تھے، اللہ تعالیٰ آخرت میں آپ کے ساتھ ایسا ہی معاملہ فرمائے جیسا انھوں نے ہم طلبہ کے ساتھ کیا۔ آمین)

③ میں نے اپنے دونوں بچوں کے نام استاذ محترم ہی کہ کہنے پر رکھے ہیں۔ جب پہلا لڑکا ہوا تو آپ سے پوچھا کہ کیا نام رکھوں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے پسندیدہ نام عبداللہ ہے، عبداللہ نام رکھ لیجیے اس میں فائدہ یہ بھی ہے کہ جب بھی تم اپنے بچے کو پکارو گے اللہ کا ذکر ہوگا ”عبداللہ“۔ ایک باپ دن میں کتنی مرتبہ اپنے بیٹے کو پکارتا ہے ہر مرتبہ میں ثواب ملے گا۔ جب دوسرا لڑکا ہوا اور میں نے نام کے بارے میں مشورہ کیا تو فرمایا عبدالرحمٰن نام رکھ لو۔ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَحَبَّ أَسْمَائِكُمْ إِلَى اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ. (صحیح مسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یقیناً تمہارے ناموں میں اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔“

مولانا مرحوم کو نئے انداز کے رکھے ہوئے نام ناپسند تھے بالکل مولانا نور عالم صاحب خلیل امینی کی طرح۔ مولانا نور عالم صاحب نے ایک مرتبہ فرمایا لوگ عجیب عجیب نام رکھتے ہیں۔ ایک طالب علم سے پوچھا تو نام بتایا: مرسلین کہا کہ اکیلے ہی مرسلین ہیں۔ (ایک طالب علم کا نام تھا عالمین

اور بچیوں کا نام رکھنے میں تو لوگوں نے غضب ڈھا رکھا ہے۔ الامان و الحفیظ)

④ حضرت الاستاذ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ بے تکلف حدیث پر عمل کرتے تھے، مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے، جوتے پہنتے اور نکالتے بارہا دیکھا کہ بلا تکلف مسجد کے اندر دائیں قدم سے داخل ہوتے اور بائیں قدم سے نکلتے، آپ نے بعضوں کو دیکھا ہوگا کہ وہ مسجد سے نکلنے سے پہلے کچھ دیر سکتہ خفیفہ کرتے ہیں پھر بائیں قدم سے نکلتے، ایسا تکلف یہاں نہیں تھا۔ وَأَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ فِي صَحِيحِهِ: وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَبْدَأُ بِرِجْلِهِ الْيُمْنَى، فَإِذَا خَرَجَ بَدَأَ بِرِجْلِهِ الْيُسْرَى. وَفِي 'فَتْحِ الْبَارِي': عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: مِنَ السُّنَّةِ إِذَا دَخَلْتَ الْمَسْجِدَ أَنْ تَبْدَأَ بِرِجْلِكَ الْيُمْنَى.

امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: ''ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مسجد میں داخل ہوتے تو دائیں پاؤں سے ابتداء کرتے، اور جب نکلتے تو بائیں پاؤں سے ابتداء کرتے۔''

اور فتح الباری میں ہے: انس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''سنت یہ ہے کہ جب تم مسجد میں داخل ہو تو دائیں پاؤں سے آغاز کرو، اور جب نکلو تو بائیں پاؤں سے آغاز کرو۔''

⑤ حدیث شریف میں اصلاح بین الناس کی بڑی تاکید آئی ہے حتی کہ اس کو بہت سی عبادتوں سے افضل قرار دیا گیا ہے؛ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ وَالصَّدَقَةِ؟ قَالُوا: بَلَى، قَالَ: إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ فَإِنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ. (ابوداؤد) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو نماز، روزہ اور صدقہ کے درجے سے بھی افضل ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیوں نہیں، یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کے آپس کے تعلقات کو درست کرنا، کیونکہ آپس کے تعلقات میں فساد (بگاڑ) ہی وہ چیز ہے جو (دین کو) مونڈ دینے والی ہے۔

استاذ محترم اس پر عمل کرنے میں ممتاز تھے۔ دو طلباء کے درمیان ترک کلام کا آپ کو علم ہوتا تو آپ بلا کر اپنے سامنے صلح کرواتے۔ ایک مرتبہ میں نے اپنے چند رشتہ داروں سے اختلاف کا ذکر کیا رشتہ دار تھے بھی قریبی، آپ نے اس سلسلے میں مجھے نصیحت فرمائی اور رخصت ہونے

کے وقت مجھے اپنے پاس سے چار مترجم الحزب الاعظم عنایت فرمائی اور کہا کہ یہ ان کو اپنے ہاتھ سے دینا جن سے اختلاف ہوا ہے۔ چوں کہ فریق مخالف سامنے نہیں تھے اس لیے ''استاذ محترم'' نے یہ ترکیب نکالی۔ آپ نے اس وقت اپنے صاحب زادے کا ایک واقعہ بھی سنایا تھا کہ ایک لڑکا اوپر سے اتر کر آتا اور اسے (اپنے کسی بچے کا نام لیا) چھیڑتا اور چڑاتا ہے، یہ بھی غصہ ہوتا ہے میں نے اپنے بچہ کو کہا کہ آپ اسے کبھی پانچ روپے دو کبھی چاکلیٹ دے دو وہ تمہارا دوست بن جائے گا، اس نے پہلے انکار کیا کہ میں نہیں دوں گا لیکن بہر حال اس نے چند مرتبہ ایسا کیا تو وہ اب اس کا دوست ہے پھر قرآن کریم کی یہ آیت پڑھ کر مجھ کو نصیحت فرمائی۔ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۔ بھلائی اور برائی برابر نہیں ہوسکتی (اس لئے برائی کا) ایسے طریقہ سے جواب دیجئے جو بہت اچھا ہو، تو یکا یک جس شخص کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی، وہ ایسا ہوجائے گا جیسے کوئی جگری دوست۔

فرمایا کہ ماٹلی والا کی رہائش کے زمانے میں گھر کے قریب چند ایسی عورتیں تھیں کہ ڈر لگا رہتا تھا کہ کب گھر والوں پر جانے کس بات پر برس پڑیں؟ میں نے گھر کہہ دیا تھا اگر کبھی ایسا ہو تو دروازہ بند کر لینا، کبھی کچھ نہ بولنا۔

⑥ کھانا کھانے کے بعد خلال کرنے کا معمول تھا اور اطمینان سے خلال فرماتے، فرمایا کہ اگر کوئی خلال کی سنت پر عمل کرے تو اس کے دانت خراب نہیں ہوں گے ان شاء اللہ ۔آپ اپنے مہمان کو کھانے کے بعد خلال ضرور پیش فرماتے۔ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: تَخَلَّلُوا عَلَى أَثَرِ الطَّعَامِ وَ تَمَضْمَضُوا. (کنزالعمال) نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کھانے کے بعد خلال کیا کرو اور کلی کیا کرو۔

⑦ آپ بات کے پکے اور وعدے کے سچے تھے جو وقت دیتے اعمال کی کثرت اور تدریس کی مشغولی اسے بھلاتی نہ تھی ۔چاہے کسی طالب علم ہی کو وقت کیوں نہ دیا ہو۔ فون پر گفتگو کے دوران کسی ضرورت کی بنا پر یوں کہہ دیتے کہ بعد میں فون کرتا ہوں تو بعد میں فون ضرور آتا، ایک مرتبہ فون پر کسی آیرویدک دوا کا نام بتا رہے تھے۔ وہ انوکھا نام مجھے یاد نہ رہتا، تو میں نے کہا کہ مولانا واٹس اپ پر لکھ کر بھیج دیں تو آپ نے یاد سے وہ نام لکھ کر بھیجا۔ ایک مشغول

اور کثیر العلائق شخص کے لیے یہ معمولی بات نہیں ہے۔آپ کسی کو وقت دیتے تو اس پر کھرے اترتے تھے یہی نبوی تعلیم ہے اسی کی تعلیم اپنی اولاد کو بھی کی تھی، آپ کے جنازہ میں حاضر ہونے والوں نے اس کا مشاہدہ بھی کیا ہوگا کہ جنازہ کا وقت گیارہ بجے دیا تھا اور الحمد اللہ گیارہ بج کر دس منٹ پر نماز جنازہ مکمل ہو چکی تھی۔

بقول آپ کے فرزند مولانا ارشاد صاحب: ہم کو تاکیدی حکم تھا کہ تدفین کے لیے کسی کا انتظار نہ کریں اور میں تو نو بجے کا کہہ رہا تھا لیکن بعض احباب کے کہنے پر گیارہ بجے رکھا گیا۔ اس بات سے حدیث پر عمل کرنے کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔

فَإِنَّ مِنَ السُّنَّةِ تَعْجِيلُ دَفْنِ الْمَيِّتِ، لِمَا رَوَى الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَسْرِعُوا بِالْجَنَازَةِ، فَإِنْ كَانَتْ صَالِحَةً فَخَيْرٌ تُقَدِّمُونَهَا عَلَيْهَا، وَإِنْ كَانَ سِوَى ذَلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُونَهُ عَنْ أَعْنَاقِكُمْ. وَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمْ فَلَا تَحْبِسُوهُ، وَأَسْرِعُوا بِهِ إِلَى قَبْرِهِ.

میت کے دفن میں جلدی کرنا سنت ہے، کیوں کہ بخاری ومسلم میں روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جنازے کو جلدی لے جاؤ، اگر وہ نیک ہے تو تم اسے بھلائی کی طرف آگے بڑھا رہے ہو، اور اگر اس کے علاوہ ہے (یعنی بد کار ہے) تو وہ شر ہے جسے تم اپنی گردنوں سے اتار رہے ہو۔“ اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اسے روکے نہ رکھو، بلکہ جلدی اس کو قبر کی طرف لے جاؤ۔“

⑧ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ. آپ کو معلوم ہے لایعنی باتیں ہی نہیں بلکہ لایعنی اشیاء بھی ہوتی ہیں، لایعنی شوق بھی ہوتے ہیں اور لایعنی مشغولی بھی ہوتی۔ لایعنیت سے آپ کو بُعد تھا بلکہ آپ کی طبیعت ہی اس کو پسند نہیں کرتی تھی۔فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے دیوبند سے گجرات کے سفر میں ارادہ کیا کہ راستے میں ناول پڑھوں گا اور ایک عمدہ ناول حاصل کی لیکن چند صفحوں سے زیادہ نہیں پڑھ سکا۔ اس کے بعد کبھی ناول کو ہاتھ نہیں لگایا۔

⑨ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجری سال کے حساب سے ۶۳/ سال عمر عطا فرمائی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے عمر نبی مانگی تھی۔ امید کی جاسکتی ہے کہ یہ سنتوں پر ہی عمل کرنے کا صلہ ملا ہے۔

⑨ جمعہ کے دن تبکیر مسنون ہے حدیثِ صحیح میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَدَنَا وَاسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، وَمَنْ مَسَّ الْحَصَى فَقَدْ لَغَا. (سنن الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا، پھر جمعہ (کی نماز) کے لیے آیا، قریب بیٹھا، غور سے سنا اور خاموش رہا تو اس جمعہ سے اگلے جمعہ تک کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، اور مزید تین دن کا (اضافہ) بھی۔ اور جس نے کنکری کو چھوا تو اس نے لغو کیا۔“

جن حضرات نے حضرت الاستاذ کو جمعہ کے دن جامعہ کی مسجد میں تقریبا گیارہ بج کر تیس منٹ سے بیٹھے دیکھا ہے وہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ استاذ محترم اطمنان سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے، نماز ادا کرتے اور کوئی لغو کام نہیں کرتے تھے۔

مختلف ارشادات و فرمودات:

فرمایا: میرے والد صاحب کی چاہت یہ تھی کہ مجھے ایسے مدرسہ میں داخل کیا جائے جہاں زکاۃ نہ لی جاتی ہو اس لیے مجھے ماٹلی والا میں داخل کیا گیا۔

فرمایا کہ جب میں ڈابھیل آرہا تھا تو میں نے مہتمم صاحب سے درخواست کی تھی کہ انتظامی کوئی ذمہ داری مجھے نہ دی جائے۔ مہتمم صاحب نے اس کو قبول فرمایا اور ابھی تک کوئی ذمہ داری سپرد نہیں کی۔ آپ انتظامی معاملات پر نقد کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے اور اپنے بچوں کو بھی یہی تعلیم دی تھی۔

ایک مرتبہ استاذ محترم کے ساتھ قدیم قراءت کی درس گاہوں کی طرف چہل قدمی کر رہا تھا (تعطیل ہو چکی تھی طلبا گھر جا چکے تھے) اس وقت حفظ کی درسگاہوں کی بغل میں وضو خانہ کا کام ہوا تھا، اس کے اوپر پہلے منزلے پر سیڑیوں کے نیچے جو جگہ خالی تھی اس کے متعلق فرمایا ”یہاں بھی ایک وضو خانہ بنایا جانا چاہیے تا کہ کسی کو نیچے اترنے کی نوبت نہ آئے“ کہنے کو تو حضرت نے کہہ دیا لیکن پھر فورا استدراک فرمایا کہ ”اس طرح نہیں کہنا چاہیے،“ اس لیے کہ جو بے جا نقد کرتا ہے اللہ تعالیٰ ذمہ داری اس کے سپرد کر دیتے ہیں کہ لے اب کر ایسا جیسا کہتا تھا۔

فرمایا کہ اگر کوئی عبارت حل نہ ہو تو نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے عبارت کا حل مانگے۔فرمایا ہمارے گھر سیلوڈی میں گھر پر ''تفسیر مہائمی'' تھی میرے والد صاحب اس کا مطالعہ کرتے تھے۔ دوران مطالعہ تفسیر میں ایک لفظ آیا **بالعنة** (آیت کونسی تھی راقم بھول چکا ہے) والد صاحب نے فرمایا کہ یہاں لعنت کے لفظ کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آرہی، میں نے دیکھا مجھے بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا اور علامہ مہائمی معمولی آدمی نہیں ہیں وہ ایسی واضح چوک نہیں کر سکتے، چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو یہ بات سمجھ میں آگئی کہ وہ لعنت سے بالعنۃ نہیں ہے عنین (نامرد) سے **مصدر بالعنة بکسر العین و فتح النون** ہے اب مطلب بالکل واضح ہو گیا اور والد صاحب بھی خوش ہو گئے۔

جن مصنفوں کی تصنیفوں کی وجہ سے محبت کی جاتی ہے استاذ محترم بھی اسی فہرست میں ہیں۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ آپ کی تصنیف کردہ کتابوں کو پڑھ کر بہت سے لوگوں کو آپ سے ملنے کا اشتیاق ہوتا تھا اور وہ آپ سے ملاقات کے لیے سفر کر کے آتے تھے۔ آج کل تصنیفوں اور شرحوں کی بھرمار ہے۔ دو شرح سامنے رکھ کر ایک تیسری شرح تیار کی جاتی ہے اس روش کو استاذ پسند نہیں کرتے تھے۔

بدر اللیالی شرح بدء الامالی مصنفہ حضرت مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ کی خوب تعریف کرتے اور شرح العقائد کے لیے اس کا مطالعہ کرنے کا مشورہ دیتے۔فرمایا کہ مفتی رضاء الحق صاحب نے عمدہ ابحاث لکھی ہیں۔ پہلے ان سے ملاقات کی خواہش نہیں تھی لیکن ان کی کتاب پڑھ کر ان سے ملنے کی تمنا ہے۔ (استاذ جلد کسی سے متاثر نہیں ہوتے تھے)

آپ آخر میں شرح العقائد اور ابوداور شریف پر خاص توجہ دیتے اور مطالعہ اور حاشیہ لگانا بھی زیادہ تر ان ہی دو کتابوں کا ہوتا۔ آپ کی مرکز توجہ یہ دو کتابیں تھیں۔ ہمارے ایک درسی ساتھی نے ''مولانا'' کو حضرت مولانا اسماعیل صاحب چاسوی دامت برکاتہم کے ساتھ خواب میں دیکھا تو میں نے کہا کہ شرح العقائد کی مناسبت سے تو کہیں دونوں ساتھ نہیں؟ تو علامہ چاسوی کے فرزند مولانا زکریا صاحب نے فورا لقمہ دیا کہ ابوداؤد کی مناسبت کی وجہ سے بھی۔ یاد رہے کہ یہ دونوں کتابیں کئی سال حضرت مولانا اسماعیل صاحب کے ذمہ رہی ہیں۔

فرمایا کہ ابو داود کی شرح الدر المنضود عمدہ کتاب ہے، کیا اچھا ہوتا کہ حدیث ہر جگہ مکمل

دی جاتی۔ فرمایا: جو شریف الطبع باحیا ہوتے ہیں وہ صاف حکم نہیں کرتے بلکہ صرف اشارہ کرتے ہیں، آج میں حضرت مولانا واجد حسین صاحب کے ساتھ چہل قدمی کر رہا تھا تو اس جگہ پہنچے جہاں سے عموماً واپسی ہوتی تھی تو مولانا واجد حسین صاحب نے فرمایا: ''آج موسم بڑا اچھا ہے'' میں سمجھ گیا کہ مولانا اور آگے چہل قدمی کرنا چاہتے ہیں۔

فرمایا جو جماعت حق پر ہوتی ہے وہی دشمنان اسلام کے نشانے پر ہوتی ہے۔ حملہ امریکہ میں ہوا اور تحقیقات کرنے لوگ دیوبند پہنچتے ہیں۔ وہاں کچھ تو ایسا ہوگا جو دشمنان اسلام کے آنکھوں کا کانٹا ہوگا تبھی تو لوگ ایسا کرتے ہیں۔

آپ کو یہ بات ناپسند تھی کہ کسی عمارت، سوسائٹی یا ادارہ کا نام اسلامی شعائر پر رکھا جائے جیسے اقصی، دار السلام، حرمین فرماتے دار السلام تو جنت ہے لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ.

استاذ محترم کی تعریف کرنے کی عادت تھی۔ کوئی اپنی مشغولی یا دینی خدمت بتاتا تو ''مولانا'' فرماتے اللہ تعالیٰ ان کار خیر کی مجھے توفیق دے اس پر مولانا کے شاگرد عرض کرتے حضرت آپ تو یہ یہ کام کر رہے ہیں یعنی مولانا کی تعریف کرتے تو فرماتے ''من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو'' اور بہت پیارا مسکراتے۔

آپ کی دنیا سے بے رغبتی بھی جانی پہچانی تھی۔ کسی موقع سے ری یونین اپنے والدین کے یہاں جانا ہوا تو آپ کی والدہ صاحبہ نے آپ کو اپنے زیورات دیے، فرمایا کہ میرا قبضہ ہو چکا تھا اس میں اب میراث جاری نہیں ہوتی مگر میں نے اپنے بھائی بہنوں کے سامنے رکھا اور تقسیم کروایا۔ مدرسہ سے جو تنخواہ آپ کو ملتی تھی جو اتنی ہی ہوتی، جتنی تن کی ضرورت ہوتی، مولانا اس میں سے بھی کچھ رقم مدرسہ میں جمع فرماتے تھے۔

درس قرآن کی مزید چند جھلکیاں:

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سنا ہے کہ وہ بخاری شریف کا درس شرح قسطلانی سے دیا کرتے تھے اس میں کسی قسم کی عار محسوس نہیں کرتے تھے کہ دار العلوم کا شیخ الحدیث اور شرح میں سے پڑھاتا ہے۔ ہمارے مولانا بھی شیخ الہند مع فوائد عثمانی سے ترجمہ قرآن کا درس دیتے تھے۔ حالاں کہ آپ نے پوری زندگی ترجمۂ قرآن کا درس دیا ہے، اس کے باوجود بھی یہ احتیاط تھی۔ اور اس سلسلے میں جھجک محسوس نہ کرتے۔

آپ کا کوئی تکیہ کلام نہیں تھا، اور درس میں سبق سے ہٹ کر نصیحت کرنے کا بھی مزاج نہیں تھا، جو نصیحت حاصل کرنا ہو درس ہی سے کرلی جائے، ہاں گھر کی ملاقات میں خوب نصیحت فرماتے۔

آپ کے درس قرآن کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ ربط ضرور بیان فرماتے تھے، اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

اس آیت سے ماقبل غزوہ احد اور غزوہ بدر کا تذکرہ ہے اس آیت میں ربا کا۔ ماقبل سے کیا ربط ہے اس سلسلے میں علماء کے کئی اقوال ہیں۔ بعضوں نے اس کو جداگانہ کلام مانا ہے کہ اس کا ماقبل سے ربط نہیں ہے، اور بعض علماء نے ان آیات کا ماقبل کے ساتھ اتصال اور ربط بیان کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ گزشتہ آیات میں صبر اور تقویٰ کا حکم تھا اور کفار کے ساتھ دوستی اور خلط ملط اور اُن کو رازدار بنانے کی ممانعت تھی۔ اب ان آیات میں پھر صبر اور تقویٰ کو بیان کرتے ہیں کہ صبر اور تقویٰ کیا چیز ہے اور صابر اور متقی کون لوگ ہیں اور ان کے کیا اوصاف ہیں جن میں سب سے پہلے سود کی ممانعت فرمائی کہ اکل حلال تقوے کی جڑ اور بنیاد ہے نیز کفار سودی کاروبار کرتے ہیں اور جو نفع حاصل ہوتا ہے اسے لڑائیوں میں خرچ کرتے ہیں چنانچہ اُحد کی لڑائی میں جو مال خرچ کیا وہ وہی مال تھا جو اس قافلہ کی تجارت سے نفع حاصل ہوا، جو بدر کے سال شام سے آیا تھا۔ اب حق تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے ڈراتے ہیں کہ تم کفار کی طرح یہ خیال نہ کرنا کہ ہم بھی سودی کاروبار سے جنگوں میں مدد لیں۔ خوب سمجھ لو کہ سودی کاروبار کرنا اللہ سے جنگ مول لینا ہے۔ مسلمان کو اس سے دور رہنا چاہیے۔ (معارف القرآن ادریسی)

تفسیر ہدایت القرآن میں ہے: اس سے پہلی آیت میں فرمایا: ”آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ کی ملکیت ہے، وہ جسے چاہیں بخشیں اور جسے چاہیں سزا دیں، اور وہ غفور رحیم ہیں“، یعنی ان کی بخشش و رحمت غضب اور پکڑ سے آگے ہے، اب اس کی دو مثالیں دیتے ہیں، ایک ان لوگوں کی جن کو اللہ تعالیٰ سزا دیں گے، اور وہ سود خور مسلمان ہیں، اور مثال کافروں کی نہیں دی، ان کو تو کفر شرک کی ابدی سزا ملے گی، اور سود خور مسلمانوں کو ان کے گناہ کی وقتی سزا ملے گی۔ یہ ایسا سنگین گناہ ہے، جس کی شاید معافی نہ ہو، عصات (گناہ گار) مؤمنین کو بھی جہنم

میں جانا پڑ سکتا ہے۔

''استاذ محترم'' نے اس موقع پر ربط بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آیت ربا کا تعلق آیت جہاد سے اس طرح ہے کہ سود کھانے سے آدمی بزدل ہو جاتا ہے، دنیا کی محبت اور دنیا میں رہنے کا جذبہ مضبوط ہو جاتا ہے، جب بزدلی آئے گی تو وہ میدان جہاد میں مردانگی نہیں دکھائے گا۔ فشل اور بے ہمتی ظاہر کرے گا۔

استاذ محترم ترجمہ قرآن کے سبق کی تقریر جلالین کے طریقہ پر فرماتے آپ نے جلالین شریف میں اس بات کا مشاہدہ کیا ہوگا کہ اس میں باری تعالیٰ کی صفات سمیع علیم، رؤوف رحیم وغیرہ کا ترجمہ سیاق و سباق کے اعتبار سے کیا گیا ہے اس بات کا لحاظ حضرت الاستاذ درس قرآن میں بھی رکھتے، بطور مشتے نمونہ از خروارے ایک مثال ملاحظہ ہو: وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ. یہ روایت حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، جب وہ ہجرت کی غرض سے مکہ مکرمہ سے نکلے تو مشرکین مکہ ان کے پیچھے ہو لیے اور ہجرت کرنے سے روکنے لگے تو آپ نے فرمایا تم کو معلوم ہے کہ میں کیسا تیر انداز ہوں، جب تک میرے ترکش میں ایک بھی تیر ہے تم گرتے رہو گے لیکن میرے قریب نہیں پہنچ سکتے۔ تیر ختم ہو جائیں تو میری تلوار بازی سے بھی تم لوگ واقف ہو، تمھاری بھلائی اس میں ہے کہ میرا مال فلاں جگہ ہے تم لوگ وہ لے لو اور مجھے مدینہ منورہ جانے دو۔ مشرکین کو اسی بات پر اپنی خیریت معلوم ہوئی، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ''بعض لوگ وہ ہیں جو اپنی جان کو فروخت کرتے ہیں محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی طلب میں، وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ اور اللہ تعالیٰ بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے۔ اس کا مطلب حضرت الاستاذ نے بیان فرمایا کہ رؤوف اس طرح کہ باپ اپنے بیٹے کو کچھ رقم دے پھر سائل آجائے، باپ آزمانے کے لیے کہہ دیتا ہے کہ وہ رقم اس سائل کو دے دو، تو اگر وہ دے دیتا ہے تو باپ اتنا یا اس سے زیادہ مال اس کو دے دیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کو مال دیا پھر آزمایا بعد ازاں اس سے زیادہ عنایت فرمائیں گے اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایسے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔

میرے عظیم استاذ:

خلاصہ یہ ہے کہ سیرت و کردار کے لحاظ سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بے شمار خوبیوں اور متنوع صلاحیتوں سے مالامال ایک غیر معمولی ذہین شخص اور قابل رشک صفات کے حامل تھے۔ وہ جہاں ایک عمدہ انسان مؤدب الطلاب تھے، وہاں ایک مقبول استاذ اور میدان تصنیف کے شہسوار تھے۔ آپ جہاں طلباء کے لیے شفقت و محبت اور ایثار و ہمدردی کا پیکر تھے تو مداومت بر مطالعہ، اپنے اصول اور نفس پر سخت گیر بھی تھے۔

اکابر علمائے دیوبند جیسا عقیدے میں تصلب، کردار میں اعتدال، اعمال میں اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کاربندی اور معاملات دنیوی میں دیانت اور دین داری میں تفقہ رکھتے تھے۔ ان سب کے ساتھ آپ ایک دردمند دل رکھتے تھے جو طلباء اور امت کے لیے ہر دم دھڑکتا تھا گویا آپ کی دھڑکنیں ان کی فلاح و بہبود کے لیے وقف تھیں۔

علم کی نئی باتیں جاننے کی تگ و دو اور تصنیف و تالیف سے بے پناہ دل چسپی، بہادری و مردمی، انسانیت و عدالت، وقت کا صحیح استعمال وسخاوت، سادگی و عدم کلفت، رحم دلی و وسعت ظرفی اور اپنے علم پر عمل کرنا ان کی زندگی کے نمایاں اوصاف تھے۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

تمھیں کہتا ہے مردہ کون تم زندوں میں زندہ ہو
تمھاری خوبیاں روشن تمھاری نیکیاں باقی

———

خطۂ گجرات کے ایک ذی علم وفضل عالم صالح
مولانا رشید احمد پانچ بھایا قاسمی سیلوڈوی

۱۳۷۹ھ / ۱۹۶۰ء - ۱۴۴۲ھ / ۲۰۲۰ء

کیا کہیں کتنے مراسم تھے ہمارے اُس سے وہ جو اک شخص ہے منھ پھیر کے جانے والا

(احمد فراز: ۱۹۳۱ء - ۲۰۰۸ء)

بقلم: مولانا نور عالم خلیل امینی (رئیس التحریر الداعی عربی و استاذ ادب عربی دارالعلوم دیوبند)

مولانا کی وفات کی اطلاع اور تصدیق کے لیے دل کی عدم آمادگی:

یک شنبہ ۱۴؍ربیع الاول ۱۴۴۲ھ مطابق یکم نومبر ۲۰۲۰ء کو قصبہ جمبوسر کی جامعہ علوم القرآن کے نائب مہتمم مولانا ارشد بن مولانا مفتی احمد دیولوی نے بہ وقت اذان فجر اس راقم کو جیسے ہی یہ اطلاع دی کہ مولانا رشید احمد سیلوڈوی استاذ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل آج شنبہ- یک شنبہ: ۱۳ - ۱۴؍ ربیع الاول = ۳۱ اکتوبر- یکم نومبر کی رات میں کوئی ساڑھے ۱۲ بجے اس دنیا سے منہ موڑ گئے۔ ہم لوگ جامعہ کے اسپتال سے ان کی لاش جامعہ میں لے آئے ہیں اور غسل وتکفین کے بعد، ان کے گاؤں سیلوڈی ضلع بھروچ لے جائیں گے، جہاں ۱۱؍بجے دن میں نماز جنازہ اور بعدہ تدفین ہوگی، تو اس راقم کو ایسا محسوس ہوا جیسے اچانک ہاتھ سے سونے کی چڑیا اڑ گئی ہو۔

کسی بڑے اہل تعلق کی موت کی خبر سے مطلع ہوتے ہی اپنے معمول کے مطابق راقم بے تابانہ طور پر دسیوں مرتبہ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھتا رہا اور خبر دہندہ کے ساتھ تعزیتی الفاظ کے تبادلے کے ذریعے، ہم دونوں ایک دوسرے کے غم کو غلط کرنے اور تسلی دینے کی کوشش کرتے رہے۔

دل و دماغ میں بسے ہوئے کسی مخلص کی موت کی خبر کی تصدیق کے لیے، دل آمادہ نہیں ہوتا، سو ان کے سلسلے میں بھی ایسا محسوس ہوتا رہا کہ وہ مرے نہیں ہیں؛ بلکہ لوگوں کو ان کے تعلق سے دھوکا ہوگیا ہوگا اور ان کی وفات کی خبر عام کر دی ہے۔موت تنہا ایسی سچائی ہے جس کو لوگ اپنے پیاروں اور اپنی ذات کے سلسلے میں بہ مشکل تسلیم کر پاتے ہیں، لیکن دنیا کی سچائیاں، انسانوں کے بالقصد اُن کے سلسلے میں دھوکا کھانے سے، ناپید نہیں ہوتیں ؛ بلکہ انھیں اُن کے

وجود پر بہر کیف ایمان لانا پڑتا ہے اور ارادتا فریب خوری کی کوششیں بالآخر رائگاں جاتی ہیں۔
مولانا رشید احمد کو دو تین ہی ہفتہ پہلے راقم نے فون کیا تھا، یعنی شنبہ- یک شنبہ ۲۲ - ۲۳/ صفر= ۱۰ -۱۱/ اکتوبر کی رات میں بہ وقت عشاء ۷/ بج کر ۱۰/ منٹ پر راقم نے انھیں خیر خیریت دریافت کرنے کے لیے فون کیا، تو انھوں نے بتایا کہ ہمارے گاؤں سیلوڈی کے ایک بہت غریب آدمی کورونا کا شکار ہو گئے ہیں، نوساری شہر کے ایک اسپتال میں زیر علاج ہیں، ہم چند لوگوں کے ہم راہ انھی کی عیادت کو جارہے ہیں، کافی دیر تک ہم دونوں باتیں کرتے رہے، انھوں نے کہا کہ امام طحاوی (ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ از دی طحاوی مصری: ۲۳۸ھ/ ۸۵۲ء ۳۲۱ھ/ ۹۳۳ء) کی ''معانی الآثار'' پر میں نے عربی میں اس کورونا کی وبا کے دوران حواشی لکھے ہیں، اُس کی ایک جلد چھپ کر آ گئی ہے، میں نے ثمامہ نور سلمہ (پسر خرد راقم) کو واٹس ایپ پر ٹائٹل کی تصویر بھیج دی ہے، آپ ملاحظہ کر کے اپنی رائے دیجیے کہ ٹائٹل خوب صورت ہے کہ نہیں؟ راقم نے انھیں جواباً مزاحیہ انداز میں کہا کہ آپ تو ماشاء اللہ شارح علیہ السلام ہو گئے ہیں اور حواشی و شرح لکھنی آپ کے لیے جتنی آسان ہوگئی ہے اس راقم ناتواں کے لیے اتنی ہی مشکل ہے، اس جملے سے وہ بہت لطف لیتے رہے اور ہنسی سے بے خود ہونے لگے، تو راقم نے اُن سے اجازت لے لی اور مکالمے کا سلسلہ ختم کر دیا؛ کیوں کہ ہمارے یہاں دیوبند میں عشا کی اذان ہو چکی تھی اور ہمیں نماز کے بعد کے معمولات پورے کرنے تھے۔

فون کے ذریعے اُن سے مذکورہ بالا بات چیت، اس دنیائے ناپایدار و بے اعتبار میں، راقم کی اُن سے آخری بات چیت ثابت ہوئی۔ ڈابھیل کے اسپتال میں زیر علاج رہنے کے دوران، راقم کو ان کی بیماری کا علم ہی نہ ہوسکا، جمبوسر میں جب علاج کا سلسلہ شروع ہوا تو عزیزم مولانا ارشد دیولوی نے ایک آدھ روز کے بعد اطلاع دی کہ مولانا رشید احمد شدید بیماری کی حالت میں ہمارے ہاں داخل اسپتال ہیں، آپ سے خصوصی دعا کی درخواست ہے۔ ہم لوگوں سے جو کچھ بن پڑا، وہ ہم کر رہے ہیں لیکن ضرورت ہے کہ دعاؤں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو متوجہ کیا جائے تا کہ دوا و علاج اور تدبیریں مؤثر اور کارگر ثابت ہوں۔

راقم کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اُس کی مذکور الصدر گفتگو ایک ایسے آدمی سے ہو رہی ہے جو صرف بیس دنوں کا مہمان ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ نوساری کے اسپتال میں وہ عیادت

کو گئے، تو وہیں کورونا سے متاثر ہو گئے۔ ہفتہ عشرہ ڈابھیل کے اسپتال میں زیر علاج رہے، ان کے تلامذہ ومحبین ان سے بہ اصرار درخواست کرتے رہے کہ وہ سورت یا جمبوسر، جہاں اُن کا جی کرے علاج کے لیے تیار ہو جائیں، تو وہ انھیں وہاں لے جائیں گے؛ تا کہ باذن اللہ بہ عجلت شافی وکافی علاج ہو جائے اور وہ شفایاب ہو کر اپنے کاموں میں لگ جائیں، لیکن وہ اس کے لیے تیار نہ ہو سکے۔ وفات سے عشرہ قبل ان کے تلامذہ: مولانا ارشد دیولوی، مولانا اشرف ساروتی اور مولانا اسجد دیولوی وغیرہ کہنا چاہیے کہ زبردستی جامعہ علوم قرآن جمبوسر کے اسپتال میں لے گئے اور وہاں بہت توجہ کے ساتھ دوا وعلاج کا سلسلہ جاری رکھا، جس سے افاقے کی صورت پیدا ہونے لگی۔ لیکن وفات سے دو روز قبل سے ان کی حالت غیر مستحکم ہوتی گئی اور مکتوب الٰہی کے بہ موجب، جاں بر نہ ہو سکے اور وہیں پہنچ گئے جہاں ہر ذی روح کو جانا ہے۔ رہے نام اللہ کا۔ اب تو اُن کی روح سے یہی درخواست کی جاسکتی ہے:

اُجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے

(سید محمد بشیر معروف بہ بشیر بدر)

جمبوسر میں اُن کے علاج کے دوران تقریباً روزانہ ہی مغرب بعد، اُن کے علاج میں پیش رفت کو معلوم کرتا رہا، ان کے شاگرد خاص مولانا اشرف ساروتی سے ٹیلیفون پر ان کے سلسلے میں اطمینان حاصل کرتا اور آخر کے دودنوں سے مریض کی غیر اطمینان بخش حالت کو جان کر ان کو تسلی دینے کی کوشش کرتا رہا؛ کیوں کہ اس راقم کو یقین تھا کہ بہ فضل خدائے کریم مولانا رشید احمد ضرور شفایاب ہو جائیں گے، راقم کی خوش گمانی کی وجہ یہ تھی کہ وہ جسمانی طور پر راقم سے زیادہ مضبوط اور ارادے کے اعتبار سے اُس سے زیادہ توانا تھے، اللہ پر بھروسے کا اثاثہ اس پر مستزاد تھا؛ لیکن موت اپنے وقت پر آ کے رہتی ہے اور کسی توانا کی توانائی صبر شعار کا صبر، اور متوکل علی اللہ کا توکل اس کے کچھ کام نہیں آتا۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ پیر فرتوت، برسوں کا بیمار، کم زوریوں کا پیکر، بیماریوں سے ہر طرح شکستہ انسان موت کے منھ سے نکل آتا ہے اور بہ ظاہر بڑے ڈیل ڈول کا انتہائی توانا صحت مند، ہر طرح کی سہولتوں و دوا وعلاج کے ذرائع سے بہرہ مند آدمی، موت کے سامنے ڈھیر ہو جاتا ہے اور اُس کی کوئی تدبیر کسی طرح اُس کے لیے سود مند نہیں ہوتی کہ دست اجل سے کوئی پنجہ آزمائی نہیں کر پاتا۔

مولانا کے جنازے میں دیہات ہونے کے باوجود ہجوم

مولانا کی نماز جنازہ وقت مقررہ پر ان کے گاؤں سیلوڈی میں ہوئی، جس میں ایک اندازے کے مطابق ۵-۶ ہزار لوگ شریک ہوئے جو مقامی قبرستان میں تدفین تک موجود رہے، اس وقت کی مادی و بے حد مشغول و خود غرض دنیا میں، دور افتادہ گاؤں میں نسلِ معاصر کے ایک ایسے عالم کے جنازے و تدفین میں اتنی بڑی تعداد کی شرکت، جس کی شہرت کسی شیخ وقت، معروف پیر، مشہور بزرگ کی نہ تھی؛ غیر معمولی بات ہے، جس سے مرحوم کی عند اللہ مقبولیت اور عند الناس غیر معمولی محبوبیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بالخصوص اس لیے کہ ۹۵ - ۹۸ فی صد حاضرین علما و طلبہ تھے، جو نماز جنازہ و تدفین کے نہ صرف شرعی احکام و آداب سے واقف تھے؛ بلکہ اخلاص وللّٰہیت و خدا شناسی و خدا ترسی کی صفت سے اُن کے بہرہ ور ہونے کا بھی گمان غالب تھا، کیوں کہ علمائے دین وطلبہ مدارس دینیہ دینی علوم دینی تربیت سے بہرہ یاب رہتے ہیں جو بالعموم معرفت الٰہی پر منتج ہوتی ہے، جو ارشاد خداوندی کی روشنی میں خشیت الٰہی کا یقینی ذریعہ ہوتی ہے: إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (سورہ فاطر: ۲۸) حدیثوں میں جو کچھ نماز جنازہ کے سلسلے میں وارد ہوا ہے، اُس سے واضح ہے کہ نماز جنازہ میں مصلیوں کی کثرت مغفرت کا سبب ہوتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی بھی مسلمان کی موت کے بعد اُس کے جنازے میں شرک سے منزہ چالیس آدمی شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس کے سلسلے میں ان کی شفاعت یعنی ان کی مخلصانہ دعاؤں کو قبول فرما لیتے ہیں، یعنی اُس کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔

(مسند بنی ہاشم از امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، حدیث نمبر: ۲۵۰۵؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۹۴۸)۔

مذکورہ بالا حدیث اور اس مضمون کی دیگر حدیثیں مولانا رشید احمد جیسے مرحومین کے لیے باذن اللہ تعالیٰ مغفرت اور بلندی درجات کی بشارت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور انبیا و صالحین وشہدا بالخصوص سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اطہار و اخیار و ابرار رضی اللہ عنہم کا پڑوس نصیب کرے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازتے ہوے اُن کا سہارا بنے۔

مولانا رشید احمد کا تعلیمی سفر

مولانا رشید احمد نے مکتبی تعلیم اپنے گاؤں سیلوڈی میں حاصل کی، بعد از اول تا آخر ساری تعلیم دار العلوم ماٹلی والا بھروچ میں پائی، جہاں سے اُنھوں نے سال تعلیمی ۱۳۹۸ھ - ۱۳۹۹ھ مطابق

۱۹۷۸ء-۱۹۷۹ء میں دورۂ حدیث مکمل کیا۔ اپنی سعادت نصیبی میں اضافے اور علمی استعداد میں پختگی کے لیے دارالعلوم دیوبند کا قصد کیا اور سال تعلیمی ۱۳۹۹ھ-۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۷۹ء-۱۹۸۰ء میں وہاں دورۂ حدیث کیا۔ ۱۴۰۰ھ-۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۰ء-۱۹۸۱ء میں تکمیل ادب کیا اور انھیں بھی حضرت الاستاذ مولانا وحید الزماں کیرانوی نور اللہ مرقدہ (۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء-۱۳۱۵ھ/۱۹۹۵ء) سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا۔ سال تعلیمی ۱۴۰۱ھ-۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۱ء-۱۹۸۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں تکمیل افتا کے لیے شعبہ افتا میں داخل ہوئے، لیکن اُس وقت انتظامیہ کی تبدیلی کے لیے جاری تحریک کی وجہ سے رُستا خیزی و شوریدگی کی صورت حال بنی رہی، اس لیے وہ اُس کا نصاب مکمل نہ کر سکے۔

تدریسی خدمت و تربیتی فیضان

شوال ۱۴۰۲ھ / اگست ۱۹۸۲ء سے اُنھوں نے اپنی مادر علمی دارالعلوم ماٹلی والا شہر بھروچ میں تدریسی خدمت انجام دینی شروع کی وہاں وہ شعبان ۱۴۲۰ھ / نومبر ۱۹۹۹ء تک یعنی ۱۸/ سال برسرعمل رہے۔ وہاں طلبہ کی عربی واردو انجمنوں کے سرپرست اور ان کی ثقافتی و تربیتی ذمے داریوں کے غیر رسمی طور پر مسئول بھی رہے۔ طلبہ نے اُن کی رحم دلی، حکیمانہ رویوں، تربیتی عمل میں اعتدال پسندی و میانہ روی کی وجہ سے اُن سے بہت فیض پایا۔ انھوں نے اپنی لگن اور دھن واحساس ذمے داری کی وجہ سے طلبہ کے تعلیمی معیار کو اونچا اٹھانے میں مثالی کردار ادا کیا؛ اس لیے اُن کا وہاں کا زمانہ ان کے اور مدرسے کے لیے تاریخی اور یادگار رہا، خصوصاً اس لیے کہ یہ ان کی جوانی کا زمانہ تھا، ان کی حوصلہ مندی، جذبہ عمل، کچھ اچھے سے اچھا کر گزرنے کا جذبہ انھیں بے تاب رکھتا تھا، وہ اُس وقت راہ عمل کے تازہ دم راہی تھے، جسے کسی تکان کی شکایت ہوتی ہے، نہ تلوے سے کبھی خارکشی کی ضرورت۔ وہاں اُن کے سرگرم عمل ہونے کے تین چار سال ہی کے بعد انھی کی تحریک اور ان کے مدرسے کی طرف سے رسمی دعوت پر یہ راقم کئی بار وہاں طلبہ کی انجمنوں کے پروگراموں اور سالانہ سرگرمیوں میں شرکت کے لیے حاضر ہوتا اور ان کے جوش عمل کے ثمرات کے مشاہدے سے خوش ہوتا رہا۔

مولانا رشید احمد سے ملاقات و تعلقات

جمعرات: ۱۸/ ربیع الآخر ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۰/ دسمبر ۱۹۸۷ء کو ”صالح معاشرے کی تعمیر میں

اسلام کا کردار'' کے موضوع پر دار العلوم ماٹلی والا کے ذمے داروں نے ایک تقریری مقابلے کا انعقاد کیا، جس میں اُس کے علاوہ پانچ دیگر مدرسوں کے طلبہ نے بھی حصہ لیا۔ راقم کو وہاں کے اُس وقت کے مہتمم مولانا یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے حکم کے فریضے کی ادائیگی کے لیے مولانا رشید احمد سیلوڈوی کی تجویز اور حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی دامت برکاتہم کی تائید پر مدعو کیا۔

چہارشنبہ: ۱۷؍ربیع الآخر ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۹؍دسمبر ۱۹۸۷ء کو راقم نے اُن لوگوں کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے، اپنی زندگی میں پہلی بار سرزمین گجرات پر قدم رکھا۔ دن کے ڈھائی بج رہے تھے کہ نئی دہلی سے سہ شنبہ: ۱۶؍ربیع الآخر = ۸؍دسمبر کو روانہ ہونے والی اور ممبئی جانے والی اکسپریس نے راقم کو بھروچ کے تاریخی دریا نرمدا (جس سے صحابہ و تابعین اور ان سے قبل زمانہ جاہلیت سے تاجران عرب کی ہندوستان کے اس خطے میں آمد و رفت رہی) کے کنارے واقع ریلوے اسٹیشن پر چھوڑا، جہاں استقبال کے لیے حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی مدظلہ اور حضرت مولانا عبد الحنان قاسمی مظفر پوری سیتا مڑھوی (۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۴ء - ۱۴۳۰ھ / ۲۰۰۹ء) محو انتظار تھے۔ مدرسے پہنچتے ہی مولانا رشید احمد سیلوڈوی نے مل کر اپنا تعارف کرایا اور اپنے ہم عمر اساتذۂ مدرسہ کے ساتھ کئی روزہ قیام کے دوران سایہ کی طرح ساتھ رہے۔ شریک دسترخوان اور سلیقہ آداب میزبانی سے واقف میزبان بھی رہے اور گجرات کے مغربی علاقوں کے مدرسوں کی زیارت کے دوران واقفِ حال وراہِ رہ نما و دل ربا رفیقِ سفر بھی۔

وہ دن اور اُن کی زندگی کے آخری دن تک راقم سے اُن کے مخلصانہ؛ بل کہ عقیدت مندانہ تعلق میں ۳۴؍سالوں کے طویل دورانیے میں، کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ یقیناً وہ اس عرصہ دراز میں اثر انداز ہونے والے طرح طرح کے حالات سے گزرے ہوں گے، مسائل زیست کی دھوپ چھاؤں سے انھیں سابقہ پڑا ہوگا، صحت و تندرستی اور بیماری و ناہم واری کی تلخی و شیرینی سے ان کا گزر ہوا ہوگا، رفقائے کار و جاہائے کار کی ناسازگاری کے منفی مضمرات نے کبھی کبیدہ خاطر بھی کیا ہوگا اور حالات کی سازگاری و موزونیت نے جھوم اُٹھنے اور بے خود ہو جانے پر مجبور بھی کیا ہوگا، غم عشق و غم روزگار نے ہر انسان کی طرح انھیں بھی ستایا ہوگا۔ ملائکہ معصوم کے سوا دنیا کا نیک سے نیک انسان حالات کے مثبت و منفی اثرات کے جبر سے اپنے آپ کو نہیں بچا پاتا، جن کی بے رحمانہ ضربوں سے انسانی رشتوں اور باہمی تعلقات کی چولیں ضرور ہل جاتی ہیں،

لیکن راقم کو خوشی وغم کے کسی مرحلے میں کبھی بھی اُس کے ساتھ ان کی عقیدت آمیز محبت کے ارتعاش زدہ ہونے کا احساس نہ ہوا۔ یہ مثالی خوبی مومنانہ استقامت اور صالحانہ رجولت کا نتیجہ ہوتی ہے، جو موروثی بھی ہوتی ہے اور اکتسابی بھی۔ انھیں یہ صفت عالم باعمل اور زاہد مرتاض والد مولانا موسیٰ (۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۰ء - ۱۴۳۰ھ / ۲۰۰۹ء) سے وراثت ملی تھی، جو دارالعلوم دیوبند کے فضلائے صالحین میں سے ایک اور صحابہ صفت مشائخ دیوبند کی نمایاں یادگار شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ (۱۲۹۸ھ / ۱۸۷۹ء - ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۷ء) کے تلامذۂ مولی صفات میں سے ایک تھے۔ مولانا رشید احمد نے اپنے عمل و کردار سے اس خوبی پر سان چڑھا کے اُس کو مزید تاب ناک اور آب دار ہو جانے کا موقع دیا، چناں چہ ان کی زندگی کے عزیمت طلب سارے مواقف میں اس خوبی کی چھاپ نظر آتی تھی۔

راقم سے اُن کے تعلقات کی نوعیت

دار العلوم ماٹلی والا میں تدریسی خدمت کے عرصے میں وہ نوجوان اور جوان رہے، راقم سے اُن کی دید وشنید اور پھر مضبوط تعلق کی ابتدا، جو دسمبر ۱۹۸۷ء (ربیع الآخر ۱۴۰۸ھ) میں ہوئی، کے وقت اُس کی عمر بھی ۳۴ - ۳۵ سال تھی، ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء میں جب اُنھوں نے دار العلوم ماٹلی والا سے سبک دوشی اختیار کی تو راقم ۴۶ - ۴۷ سال کا تھا اور مولانا رشید احمد ۳۹ - ۴۰ سال کے تھے؛ اس لیے انھیں تو راقم سے عقیدت مندانہ و تلمیذانہ انداز کی محبت رہی، لیکن راقم کے اُن کے ساتھ تعلق خاطر کا رنگ بے تکلفانہ و معاصرانہ رہا؟ اسی لیے جہاں اُنھوں نے راقم سے زبان و بیان، قواعد نحو و صرف، نثری اسلوبیات تحریری تلمیحات و اشارات، عربی سے اردو ترجموں کی پیچیدگیوں سے نمٹنے وغیرہ کے سلسلے میں فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی، وہیں راقم نے اُن سے بے ساختہ مراسلات، ٹیلی فون پر گفتگو اور بہ وقت ملاقات بالمشافہ تبادلۂ خیال کے ذریعے بہت سے افکار و خیالات میں شراکت کے ذریعے دردِ تنہا و غمِ زمانہ کی شدت کو کم کرنے کی کوشش کی۔

زندگی میں بہت بار ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو ایسے ہم فکر و ہم نفس و غم خوار کی تلاش ہوتی ہے جو اس کے فکری اشارات، لسانی تلمیحات اور غم و الم کی واردات اور معاشرے و ماحول کی کج ادائیوں اور ستم رسانیوں کے شعور و ادراک کا حامل ہو؛ تا کہ اس سے ہم کلامی و تبادلہ فکری کے ذریعے، ہائے گل کی پکار اور ہائے دل کی فریاد کے اشتراک سے تشکیل شدہ آہ و زاری سے اپنے

غم کو غلط کر سکے یا کم از کم دل کے کچھ پھپھولوں کو پھوڑ سکے، کہ اس سے دل ہلکا اور اس کا بوجھ کم ہو جاتا ہے۔مولانا رشید احمد سیلوڈوی اس راقم کے لیے اسی طرح کے ہم نظریہ وہم درد ثابت ہوئے، اُس کے لیے ان کی دریافت ایک پرخلوص و وفا کیش و دانا ہم دم و ہم ساز کی تھی۔

دار العلوم ماٹلی والا میں اُن کی تعلیم و تربیت کا انداز

دار العلوم ماٹلی والا کا اپنا اٹھارہ سالہ زمانہ انھوں نے صرف مردم سازی ورجال گری میں گزارا، تالیف وتحریر کی طرف متوجہ ہونے کو زیادہ اہمیت نہیں دی؛ بل کہ تدریس و تربیت پر اپنی توجہات مرکوز رکھیں، وہاں کے آخری دور میں انھوں نے ''البلاغۃ الواضحہ'' کے متن کی تصحیح وعربی میں حاشیہ نگاری کے ذریعے تحریری سمت میں پہلا قدم اٹھایا۔ اس زمانے میں موبائل کا چلن بھی اتنا عام نہیں ہوا تھا جتنا کہ اب ہے؟ اس لیے خطوط نویسی کی ثقافت کا مفید و مثبت و بابرکت عمل دخل باقی تھا، چناں چہ مولانا نے مراسلت کے ذریعے نہ صرف اس راقم سے ربط مسلسل رکھا؛بل کہ بہت سے علمی وادبی ولسانی مسائل کے حل کا اس کو ذریعہ بنایا۔ انھوں نے متعدد مرتبہ اس خیال کا اظہار کیا کہ ہم گجراتیوں کی اردو تحریر ایک خاص طرز کی ہوتی ہے، آپ سے کثرت سے مراسلت کی وجہ سے نہ صرف میری املا درست ہوتی جارہی ہے؛ بل کہ میری اردو زبان بھی صیقل ہوتی جارہی ہے۔ انسان، زندگی اور انسانی معاشرے کے سلسلے میں آپ کے چشم کشا تبصرے وتجزیے سے ہمارے تجربے کو جو بالیدگی و پختگی ملی ہے، اس سلسلے میں، میں آپ کا بے حد ممنونِ احسان ہوں۔

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کا دور سعادت

جنوری ۲۰۰۰ء = شوال ۱۴۲۰ھ میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل آجانے کے بعد شروع کے چند سالوں کے دوران اُن کی راقم سے مراسلت جاری رہی لیکن موبائل کی بھرپور حملہ آوری، نیز ان کی تدریسی و تالیفی مشغولیت میں اضافے، زندگی کے مسائل کی کثرت، عمر کے ساتھ ساتھ امراض کی مسلسل چھیڑ چھاڑ نے؛ انھیں اور راقم کو بھی مراسلت کے لائق نہیں رکھا کہ ہر ارتباط کے لیے موبائل کافی ہوتا رہا، جس سے بر وقت و بہ سہولت و بہ عجلت وہ سارے کام ہوتے رہے جو مراسلت کے ذریعے بہ صعوبت و بہ تاخیر ہوا کرتے تھے لیکن اُس سے زبان وادب کی مراسلتی

نثری صنف کی تخلیق پر روک لگ گئی، جس میں بالمشافہ گفتگو کی لذت اور مراسلہ نگار کی لسانی مہارت کے بہ قدر ادبی چاشنی، فکری وعقلی و تجرباتی نضج کے بہ قدر چشم کشائی و بیدار مغزی و دوررسی کے عناصر و محرکات ہوا کرتے تھے اور جو مطبوعہ شکل میں آجانے کے بعد آیندہ نسلوں کے استفادے کا ذریعہ بنتی تھی۔

مولانا رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ڈابھیل کی تدریس کے دوران تالیف پر بھی بھرپور توجہ دی اور اُن کے پُرتحریر قلم نے متعدد کتابوں کی شرحوں اور حواشی نگاری کے ذریعے اُن کے لیے بعد از مرگ بھی ثواب یابی کی راہ ہموار کی۔ ان کتابوں کا تذکرہ آگے مختصر سوانحی نقوش کے گوشے میں آنے کو ہے۔ یہاں اُنھوں نے عقیدہ و بلاغت و عربی زبان کے علاوہ تفسیر وحدیث کی کتابیں بھی پڑھائیں اور تدریس کے لیے درس گاہوں میں آمد سے قبل ان کتابوں کا گیرائی و گہرائی سے ایسا مطالعہ کیا کہ ان کے مضامین و معانی و مطالب پر انھیں استادانہ و ماہرانہ دست رس حاصل ہو گیا اور ان کتابوں کی شرحیں، تصحیح اور تحشیہ نگاری اُن کے لیے آسان ہوگئی، چناں چہ وہ دن میں پڑھاتے، رات کو مطالعہ کرتے اور جمعہ و جمعرات اور فرصت کے دیگر اوقات کو تصنیف و تالیف میں خرچ کرتے۔ اس طرح اُنھوں نے اپنے آپ کو بہت مشغول رکھا، جس کی وجہ سے مجلس آرائی اور ضیاع وقت کے لیے ملاقات وزیارت و کثرت علائق کے بے سود؛ بل کہ نقصان دہ عمل سے اپنے آپ کو بچائے رکھا۔

تدریس و تالیف کا نصب العین خدا کی خوش نودی

اُنھوں نے تدریس و تالیف اور جو بھی علمی کام انجام دیا، اُس میں صرف خدا کی خوش نودی اور آخرت سازی کو پیش نظر رکھا؛ اسی لیے اُن کی تالیفات میں برکت کا نور اور قارئین کے قلب وجگر کے لیے سرمایۂ سرور ہے، اس لیے وہ مفید انام اور علماء وطلبہ کے لیے فائدہ تام کا ذریعہ بنیں، چناں چہ ہاتھوں ہاتھ لی گئیں۔ اُنھوں نے اُن میں شروع ہی سے یہ نیت رکھی کہ طلبہ و مدرسین کے لیے اُن سے حصول علم و تدریسی عمل آسان ہو، اسی لیے اپنی تالیفات میں ان پہلوؤں اور مشکلات کو حل کرنا پیش نظر رکھا جنھیں اس طرح کی سابقہ کتابوں میں اُنھوں نے قلم انداز محسوس کیا۔

تدریس کی خدمت میں بھی اُنھوں نے دینی علوم کی اشاعت، طالبان علوم دین کی خدمت

وعلوم آموزی کو نصب العین بنائے رکھا۔ نام ونمود، شہرت وعزت کی خواہش، زراندوزی وغیرہ کی تگ و دو سے اُن کی پوری زندگی منزہ رہی؛ اسی لیے غبی سے غبی طلبہ اور شریر ترین تلامذہ پر بھی نہ سختی کی نہ ڈانٹا پھٹکارا؛ بل کہ ہمیشہ نرم خوئی و دل جوئی ونصیحت آموزی سے کام لیا۔ رحم دلی اور طلبہ کے لیے بے حد خیر خواہی کے جذبے سے سرشار رہنے کی وجہ سے وہ طلبہ میں بے حد محبوب اور اُن کے لیے حد درجہ نفع بخش وفیض رساں رہے؛ کیوں کہ نوجوانوں کو پرخلوص سختی اور ضابطے کی اضطراری جکڑ بندی بھی پسند نہیں آتی؛ اسی لیے جو اساتذہ پکڑ دھکڑ اور ضابطے کے پابند ہوتے ہیں، اُن سے طلبہ بدکتے ہیں اور اُن کا تدریسی عمل اُن کے اخلاص بے حساب کے باوجود بالعموم زیادہ ثمر آور نہیں ہوتا۔ مولانا رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی شفقت شعاری و رحم دلی و خوش اخلاقی کی وجہ سے طلبہ اور اپنے رفقات تدریس و عام متعارفین میں بہت مطلوب ومحبوب رہے۔ اس ہمہ گیر و ہمہ نتیجہ وصف کی وجہ سے وہ سارے ملنے جلنے والوں کے دلوں میں بسے رہے؛ اس لیے پس مرگ ان سے ان کی مجلس کے خالی ہو جانے کا اُن لوگوں کو ایسا غم ہوا جو انھی جیسے متواضع، خوش خصال اور کریم النفس و شریف الطبع انسان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد اُن کے جاننے والوں کو ہوتا ہے۔

اچھے مدرس اور کام کے لیے اہل افراد کی کم یابی

یہ راقم کم و بیش نصف صدی کار تدریس میں مشغول ہے، اس کو بخوبی اندازہ ہے کہ اگر صرف ڈیوٹی کی انجام دہی اور تنخواہ یابی کے لیے تدریسی عمل انجام دیا جائے تو علم آموزی و فیض رسانی کا کام باوآور نہیں ہوتا اور مدرس و مربی کی ساری محنت بے برکت ہو کے اکارت جاتی ہے، نیت کا معنوی انعکاس سارے کارِ حیات پر ضرور ہوتا ہے، بالخصوص انسان سازی و مردم گری کے عمل پر؛ اسی لیے ہمارے ائمہ کرام میں سے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی مطلبی قریشی: ۱۵۰ھ / ۷۶۷ء - ۲۰۴ھ / ۸۲۰ء) کا یہ مذہب ہے کہ اخروی کام تو نیت کے بغیر وجود پذیر ہی نہیں ہوتے۔ تعلیم و تربیت کا کام بہ طور خاص نیک نیتی، خلوص اور دل سوزی و جگر کاوی کا متقاضی ہوتا ہے۔ یہ راقم ہمیشہ اپنے اس عقیدے کا اظہار کرتا رہا ہے کہ معلم و مربی تعلیمی و تربیتی مضامین و مواد پر جس درجہ قابو یافتہ ہونے اور تفہیمی و ترسیلی قدرت سے بہرہ ور ہونے کا محتاج ہے، اس سے زیادہ وہ خلوص نیت اور زیر تعلیم و تربیت افراد کے لیے کرم گستری و

فیض بخشی و عنایات والطاف کے جذبے سے سرشاری کا حاجت مند ہے۔

مولانا رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ خدائے پاک کی توفیق سے اسی دوسرے قسم کے استاد و مربی تھے، اس لیے اُن کے تلامذہ ان کو رو رہے ہیں اور عرصے تک روتے رہیں گے۔ انھیں کئی سال پہلے دارالعلوم دیو بند کی طرف سے تدریسی خدمت کے لیے بہ اصرار دعوت دی گئی تھی، انھوں نے راقم سے بھی اس سلسلے میں مشورہ طلبی کی، راقم نے اُن سے یہی کہا کہ آپ اس سلسلے میں استخارہ کر لیں اور خدائی اشارے ہی پر عمل کریں، ان کے تلامذہ و رفقائے تدریس و برادران و پسران کو اس کا علم ہوا تو وہ بہت پریشان و بے تاب ہوے کہ یہ تو اب دارالعلوم دیو بند کی دعوت پر ضرور لبیک کہیں گے اور ہمیں محروم کر کے وہاں چلے جائیں گے، لیکن جیسے ہی اُنھوں نے یہاں آنے کے ارادے کو فسخ کیا، اُن لوگوں کو بے حد خوشی ہوئی اور جامعہ ڈابھیل کے منتظمین کو بھی اطمینان ہوا کہ وہ کام یاب و فیضان رساں مدرس سے محروم نہیں ہوں گے۔ اچھا مدرس اور کام کا آدمی بہت مشکل سے تیار ہوتا ہے اور قسمت ہی سے ملتا ہے، ویسے تو دیکھنے میں انسانی معاشرے میں مدرسین و ماہرین کار کی کوئی کمی نہیں، ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں۔

راقم کے ساتھ مولانا کی مخلصانہ محبت کی یادیں

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، مولانا کی کرم گستری سے، صرف اُن کے تلامذ و دوست و احباب ہی حصہ یاب نہیں ہوے؛ بل کہ یہ راقم بھی، اُن کی محبتوں کے ثمرات سے بہرہ ور رہا، بالخصوص بیماری و آزار میں مبتلا ہونے کے زمانے میں اُنھوں نے پیہم نہ صرف خبر گیری کی؛ بل کہ جاے علاج پر پہنچ کر مزاج پرسی و سہولت و تقویت رسانی و حوصلہ افزائی کی۔ رجب ۱۴۲۳ھ / اکتوبر ۲۰۰۲ء میں شکر اور اُس کے عوارض کے علاج کے سلسلے میں راقم کا ممبئی (سابق بمبئی) کا سفر ہوا سنٹرل ریلوے اسٹیشن کے قریب سورتی مسافر خانہ میں قیام رہا، دو ہی ایک روز کے بعد زبر دست بخار اور ٹھنڈک لگنے کی بیماری سے دوچار ہو گیا، جس کا سلسلہ ایک سوا مہینہ رہا بعض دوستوں نے ایک اسپتال میں داخل کر دیا، تقریباً ۳۵ روز وہاں زیر علاج رہا، کئی روز حالت نا گفتہ بہ ہوگئی، بلڈ پریشر لو ہو گیا، سخت نگہ داشت کے یونٹ میں منتقل کر دیا گیا، مولانا رشید احمد ڈابھیل سے جو ساڑھے تین چار سو کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اپنے دوستوں اور شاگردوں کے ساتھ آ کر اُس وقت تک مقیم رہے، جب تک طبیعت سنبھل نہیں گئی اور یہ راقم خطرے سے باہر

نہ ہو گیا۔ اکثر اوقات اُنھوں نے راقم کے ساتھ اسپتال میں گزارے۔ ممبئ میں مقیم اپنے گجراتی محسنین و متعارفین کو ملتفت کر کے ان سے ممکنہ سہولتیں حاصل کیں جن کو انھوں نے میری بہ عجلت شفایابی کے لیے ضروری سمجھا۔

ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ / جنوری ۲۰۰۷ء سے راقم کا شکر کے مرض اور اس کے عوارض کے علاج کے لیے ممبئ کا دسمبر کے اواخر یا جنوری کے اوائل میں سالانہ سفر ہوتا رہا، صرف سال گزشتہ مشاغل اور کورونا وبا کی دوہری رکاوٹ کی وجہ سے یہ سفر نہ ہو سکا۔ مولانا رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے دوستوں اور شاگردوں بالخصوص مولانا یوسف آسناوی کے ہم راہ وہاں راقم سے ملنے اور عیادت کے لیے ہر سال بلا ناغہ آتے رہے۔ بالعموم وہ جمعرات کو آتے اور جمعہ کے روز بہ وقت شام واپس ہوتے، جمعہ کی نماز راقم ہی کے ساتھ ممبئ کی تاریخی جامع مسجد میں ادا کرتے اور پہلی یا دوسری صف میں جگہ لینے کے لیے ٹھیک پونے ۱۲ر بجے راقم ہی کے ہم راہ جامع مسجد پہنچ جاتے، ان کے مذکورہ شاگرد جمعہ بعد کسی اچھے ہوٹل میں ہم لوگوں کی دعوت کرتے، جس سے مولانا کو بے حد خوشی ہوتی کہ ان کے مہمان یعنی راقم کی ضیافت کی گئی۔

۲ر شعبان ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۹ر اپریل ۲۰۱۷ء کو راقم کے، دہلی کے اسکورٹ اسپتال نزد جامعہ ملیہ اسلامیہ میں، دل کی بائی پاس سرجری ہوئی، ۱۸ر شعبان = ۱۵ر مئ کو اسپتال سے چھٹی تو ملی لیکن متعلقہ ڈاکٹروں نے ایک ہفتہ دہلی ہی میں قیام کا مشورہ دیا، اسپتال کے پاس ہی سوریا ہوٹل میں مقیم رہا ۱۲ر شعبان = ۱۹ر مئ کو مولانا رشید احمد کا جمعیتہ علما کے مرکزی دفتر مسجد عبد النبی آئی ٹی او سے فون آیا کہ علی الصباح میں اپنے شاگرد مولوی یوسف آسناوی کے ساتھ آپ کی عیادت کو ڈابھیل سے دہلی آچکا ہوں، آپ جس وقت اجازت دیں گے، حاضر خدمت ہو جاؤں گا، راقم نے انھیں فوراً ہی آجانے کو کہا، کافی دیر تک راقم کے پاس رہے اور خوش گپیاں کرتے رہے، بہت جی خوش ہوا اور دل سے دعائیں نکلیں۔ انھی کے واسطے سے راقم سے ٹوٹ کر محبت کرنے والے اُن کے دو شاگردوں مولانا اسجد دیولوی بن مولانا مفتی احمد دیولوی اور مولانا اشرف ساروتی نے اُن سے دو چار روز پہلے اسپتال ہی میں بعد از آپریشن دوران علاج، جمبوسر گجرات سے سفر کر کے راقم کی عیادت کی؛ فجزاہم اللہ خیراً۔

دار العلوم ماٹلی والا میں تدریس کے دوران خصوصاً اور ڈابھیل کی جامعہ میں تدریس کے

دوران عموماً ان کے جتنے تلامذہ یا دونوں مدرسے کے عام طلبہ جو اُن سے شرف تلمذ حاصل نہیں کر سکے ہوتے تھے، لیکن اُن سے وابستہ رہنے کی سعادت سے بہرہ یاب ہو کر دار العلوم دیوبند میں دوبارہ دورہ کرنے یا دورے میں سماعت کی غرض سے دارالعلوم آنے کے اپنے ارادے کا اگر ان کے سامنے اظہار کرتے تو وہ انھیں یہ تاکید ضرور کرتے کہ راقم کے پاس ضرور آیا جایا کریں اور جب بھی جانا ہو اس سے بہ ذریعہ فون اجازت کے بعد ہی جایا کریں، کیوں کہ وہ بہت مشغول رہتا ہے۔ وہ اُن طلبہ کو راقم کے پاس آنے جانے کے آداب اس تفصیل سے بتاتے کہ وہ انھیں من وعن اس طرح برتتے کہ راقم کو حیرت ہوتی تھی؟ کیوں کہ دیگر طلبہ راقم کے پاس بہت آمد و رفت اور آداب وضوابط کی پابندی کی بار بار تاکید کے بعد بھی، اُن کے پابندی سے لاپروا رہتے تھے۔

طلبہ مدارس میں دینی علوم کے تئیں بڑھتی ہوئی عدم دل چسپی

پچھلے چند سالوں میں راقم نے محسوس کیا کہ گجرات کے عام مدرسوں سے فارغ شدہ طلبہ میں بالعموم اور جامعہ ڈابھیل کے فضلا میں بالخصوص پہلے کی طرح دوبارہ دارالعلوم دیو بند میں دورہ کرنے کی خواہش بہت کم ہوگئی ہے؟ کیوں کہ مدرسوں میں تعلیم یافتہ نوجوانوں کی غیر تعلیمی مشغولیتیں بہت بڑھ گئی ہیں، نیز انگریزی تعلیم کے حصول کا رجحان بھی بڑھ گیا ہے، صرف انگریزی زبان یا مکمل عصری تعلیم کے حصول کی چاہت میں محسوس طور پر اضافہ ہوا ہے؛ اس لیے فضلائے مدارس دینی علوم میں مزید توسیع اور اتقان کے کچھ زیادہ قائل اور اس پر عامل نہیں رہے خال خال طلبہ جنھیں خوش قسمتی سے شرعی علوم کی چاٹ پڑ جاتی ہے، وہ مزید پختگی اور گیرائی کے لیے، مزید وقت صرف کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔

اب مولانا رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ رہے نہ اُن کی طرح برادرِ خویش سے زیادہ بے کراں محبت کرنے والے، دارالعلوم دیوبند کی محبت وعظمت کو اپنے شاگردوں کے رگ وریشے میں سمو دینے والے اُن کے جیسے لوگ بہ مشکل ملیں گے اور طالبان علوم نبوت کے اتنے خیر خواہ، جن کی خود کی دین داری وخدا طلبی ہر شبہے سے بالاتر ہوحسنِ اتفاق کی دین ہوتے ہیں۔مطلوبہ معیار کے واقعی دین داروں کی ہمیشہ کمی رہی ہے تو فتنہ وفساد کے سیل بلا خیز کے اس زمانے میں تو مولانا روم کے چراغ کی روشنی کی مدد سے بھی اُن کی تلاش اور اُن کی یافت کارِ جوئے شیر لانے سے

مشکل تر ہوگئی ہے۔ إِنَّ اللهَ هُوَ الْبَاقِي وَكُلُّ شَيْءٍ فَانٍ.

مولانا رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سنہ عیسوی سے ۶۰/ سال اور سنہ ہجری سے ۶۲ - ۶۳ سال عمر پائی اور نسبتاً کم عمری ہی میں اس کارگہِ حیات سے سدھار گئے لیکن ساری سرگرمیوں میں اخلاص وللّٰہیت کے امتیاز کی وجہ سے، اپنے سارے اعزہ و متعارفین و معاصرین کے لیے نا قابل فراموش رہیں گے:

یاد رکھے گا تمھیں بھی یہ زمانہ اختر شرط لیکن یہ ہے کچھ کام نرالے تو کرو

کیوں کہ ایسے لوگ زمانہ کے سازندے ہوتے ہیں وہ زمانے کی تخلیق نہیں ہوتے:

اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہل دل ہم وہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا

(علی سکندر جگر مراد آبادی: ۱۸۹۰ - ۱۹۶۰ء)

———

مختصر سوانحی نقوش

نام : مولانا رشید احمد پانچ بھایا

والد کا نام : مولانا موسی پانچ بھایا (فاضل دار العلوم دیوبند تلمیذ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ)

تاریخ پیدائش : سہ شنبہ ۱۴؍ شعبان ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۲؍ فروری ۱۹۶۰ء

جائے پیدائش : دڈھال ضلع بھروچ، گجرات

تعلیم : مکتبی مرحلے کی تعلیم اپنے وطن سیلوڈی ضلع بھروچ کے مدرسہ نجم العلوم میں پائی یعنی قرآن پاک ناظرہ، نیز اردو کے مبادیات واردو نویسی وغیرہ۔

اردو فارسی اور عربی اول تا دورۂ حدیث ساری تعلیم دار العلوم ماٹلی والا شہر بھروچ میں حاصل کی جہاں وہ ۱۲؍ شوال ۱۳۹۹ھ مطابق ۳۰؍ دسمبر ۱۹۷۰ء کو داخل ہوئے۔ سال تعلیمی ۱۳۹۸ھ-۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۸ء-۱۹۷۹ء میں دار العلوم ماٹلی والا سے فارغ ہوئے یہاں آپ کے اساتذہ میں مولانا ابو الحسن علی بھاگلپوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبد الحنان مظفر پوری سیتامڑھوی (۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۴ء-۱۴۳۰ھ / ۲۰۰۹ء)، مولانا عبد الغفور نقش بندی، مولانا یعقوب ولنوئی، مولانا ابراہیم پٹنی مدظلہ، مولانا سعید بھڑکودروی مدظلہ، مولانا یعقوب بن ولی بھروچی صوفی مدظلہ، مولانا یوسف موسیٰ کوٹھی مدظلہ اور قاری محمد سلیمان ولنوئی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ جیسے با کمال واہل صلاح و تقوی تھے۔ سال تعلیمی ۱۳۹۹ھ-۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۷۹ء-۱۹۸۰ء میں دار العلوم دیوبند میں دوبارہ دورۂ حدیث کیا۔ سال تعلیمی ۱۴۰۰ھ-۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۰ء-۱۹۸۱ء میں دار العلوم دیوبند میں تکمیل ادب کیا۔ ۱۴۰۱ھ-۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۱ء-۱۹۸۲ء میں دار العلوم دیوبند میں شعبہ افتا میں داخل ہوئے، لیکن انتظامیہ کی تبدیلی کی تحریک کے ہنگامے کی وجہ سے افتا کی تعلیم مکمل نہ کر سکے اور اپنے وطن واپس آ گئے۔

دار العلوم دیوبند میں مولانا رشید احمد نے حضرت مولانا نصیر احمد خان بلند شہری (۱۳۳۷ھ/۱۹۱۸ء-۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء) سے بخاری شریف پڑھی، آپ کے دیگر اساتذہ حضرت مولانا عبد الاحد دیوبندی (۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء-۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء) حضرت مولانا معراج الحق دیوبندی (۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء-۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء) حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی (۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء-۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء) حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری (۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء-۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء) حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی (۱۳۴۴ھ

/۱۹۲۶ء - ۱۴۳۹ھ / ۲۰۱۸ء) حضرت مولانا محمد نعیم دیو بندی (۱۳۲۷ھ / ۱۹۱۹ء - ۱۴۲۸ھ / ۲۰۰۷ء) حضرت مولانا ریاست علی ظفر بجنوری (۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء - ۱۴۳۸ھ / ۲۰۱۷ء) حضرت مولانا سعید احمد پالن پوری (۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۰ء ۱۴۴۱ھ / ۲۰۲۰ء) حضرت مولانا قمر الدین گورکھپوری دامت برکاتہم تھے۔

تدریس: شوال ۱۴۰۲ھ = اگست ۱۹۸۲ء سے اُنھوں نے شعبان ۱۴۲۰ھ نومبر ۱۹۹۹ء تک دار العلوم ماٹلی والا شہر بھروچ میں تدریسی خدمت انجام دی۔یعنی مکمل ۱۸/ سال تک۔

شوال ۱۴۲۰ھ = جنوری ۲۰۰۰ء سے سال تعلیمی ۱۴۴۰ھ - ۱۴۴۱ھ = ۲۰۱۹ء - ۲۰۲۰ء کے اختتام تک ۲۰/ سال تک عربی سوم سے دورۂ حدیث تک اکثر علوم وفنون کی کتابیں جامعہ اسلامی تعلیم الدین ڈابھیل میں پڑھائیں، چناں چہ علم الصیغہ (صرف) نفحۃ العرب (ادب) عقیدۃ الطحاوی (عقیدہ) سفینۃ البلغاء (بلاغت) قطبی (منطق) ترجمہ قرآن مجید، القراءۃ الواضحہ (ادب) شرح ابن عقیل (نحو) نور الانوار (اُصول فقہ) مکمل جلالین (تفسیر) بیضاوی شریف (تفسیر) سنن ابو داؤد، معانی الآثار للطحاوی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، موطا امام مالک (حدیث) ان کے زیر تدریس رہیں۔ اس کے ساتھ عرصہ دراز تک یہاں ناظم تعلیمات بھی رہے، حال آں کہ آپ نے اس ذمے داری کو سنبھالنے کے تعلق سے اپنی ناتوانی کا عذر بھی کیا؛ لیکن انتظامیہ نے اس سلسلے میں اُن سے زیادہ کوئی موزوں آدمی نہیں پایا۔

تصانیف: ۱- حاشیہ تفسیر جلالین ۲- حاشیہ عربی دروس البلاغہ ۳- مفتاح البلاغہ شرح اردو دروس البلاغہ ۴- نفحۃ العرب انتخاب تحقیق وعربی حاشیہ ۵- نزہۃ الادب شرح اردو نفحۃ العرب - ترجمہ اردو الحزب الاعظم ۷۔عربی حواشی معانی الآثار للطحاوی ۸- ایک گم نام مصلح (والد ماجد مولانا موسیٰ کے درس انگیز حالات و واقعات) ۹ ۔فارغ التحصیل طلبہ کے لیے کام کی باتیں ۱۰- مصائب ومحن ۱۱- ترجمہ اردو قصیدہ بردہ (غیر مطبوعہ) ۱۲- شرح عقائد کی اردو شرح (غیر مطبوعہ)

پس ماندگان: مولانا رشید احمد کے پس ماندگان میں اہلیہ کے علاوہ تین صاحب زادے اور چار صاحب زادیاں ہیں۔ ساری اولاد شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں، سوائے ایک فرزند کے جن کے ابھی کوئی اولاد نہیں۔ بچوں اور بچیوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱- مولانا ارشاد احمد مولود: دوشنبہ ۲۰/ رمضان ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۲/ جولائی ۱۹۸۲ء جامعہ اسلامیہ تعلیم

الدین ڈابھیل کے فارغ ہیں، اس کے بعد دار العلوم دیوبند میں دورۂ حدیث میں حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے بخاری شریف و ترمذی شریف کے گھنٹوں میں اور تکمیل ادب و درجہ ششم میں بہ طور خاص راقم کے دیوان متنبی والنشر الجدید کے گھنٹوں میں سماعت کی ۔ مدرسہ نور الاسلام دمن میں تدریسی خدمت پر مامور ہیں۔ اُن کے تین لڑکے ہیں: مقدام، مقداد، ربیع۔

۲۔ مولوی حذیفہ مولود: بروز جمعہ ۲۳/۱۱/۱۴۰۸ھ - ۸/۷/۱۹۸۸ء فاضل جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، مدرس مدرسہ جامعہ سعادت ہانسوٹ، اُن کے ابھی کوئی اولاد نہیں۔

۳- حافظ و قاری اسجد مولود: بہ روز جمعہ: ۲۲/۷/۱۳۱۶ھ - ۱۵/۱۲/۱۹۹۵ء، سال تعلیمی ۱۴۴۱ھ - ۱۴۴۲ھ - ۲۰۲۰ء - ۲۰۲۱ء میں جامعہ ڈابھیل میں دورۂ حدیث کے طالب علم ہیں۔ اُن کے ایک لڑکی عفراء ہے۔

۴۔ صاحب زادیوں میں سب سے بڑی نصیبہ تھی جو مولانا ارشاد کے معابعد پیدا ہوئی اور چند ماہ بعد ہی ذخیرۂ آخرت ہوگئی۔

۵- دوسری بچی عفیفہ ہیں مولود: ۲۸/۸/۱۴۰۷ھ - ۸/۵/۱۹۸۶ء، گھریلو طور پر تعلیم یافتہ ہیں، اُن کے خاوند: مولانا ادریس بن حسن پانچ بھایا مولود: ۶/محرم ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۷/۱۲/۱۹۷۷ء ہیں، جو مرکز اسلامی انکلیشور ضلع بھروچ سے ۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۴ء سے فارغ ہوئے۔ یہ ایک بستی میں امامت اور مکتب میں پڑھانے کے فرائض انجام دے رہیں۔ اُن کی تین اولاد ہیں: کفایت اللہ، ثوبیہ، امداد اللہ۔

۶۔ عتیقہ مولود: ۱۶/۱۰/۱۳۱۰ھ = ۱۱/۵/۱۹۹۰ء، اُن کے خاوند مولانا اخلاص احمد بن مولانا الیاس پانچ بھایا مولود: ۲۳/۸/۱۴۰۵ھ = ۱۴/۵/۱۹۸۵ء میں جو ۱۴۳۰ھ / ۲۰۰۹ء میں جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل سے فارغ ہوئے۔ ہانسوٹ کے مدرسے جامعہ سعادت میں تدریسی خدمت پر مامور ہیں۔ اُن کے تین اولادیں ہیں، محمد، خولہ، احمد۔

۷- رحیمہ مولود: ۲۴/۲/۱۴۱۳ھ - ۲۳/۸/۱۹۹۲ء۔ اُن کے خاوند مولانا طیب بن سراج الدین پانچ بھایا مولود: ۷/۱/۱۴۱۰ھ - ۹/۸/۱۹۸۹ء ہیں، جو جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے ۱۴۳۷ھ / ۲۰۱۶ء میں فارغ ہوئے اور مدرسہ مدنی دار التربیت کرمالی میں مدرس ہیں۔ اُن کے ابھی کوئی اولاد

نہیں۔

ان کے علاوہ مولانا رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ کے پس ماندگان میں مندرجہ ذیل بھائی بہن اور ان کی اولادیں اور اُن کا بھرا پُرا خاندان ہے:

۱- مولانا الیاس مولود: جمعرات: ۲۵/۱۲/۱۳۷۵ھ = ۲/۸/۱۹۵۶ء، دار العلوم دیوبند سے ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء میں فارغ ہوئے، زراعت و کاشت کاری کے ذریعے حلال روزی کماتے ہیں، وطن سیلوڈی تحصیل انگلیشور ضلع بھروچ ہی میں رہتے ہیں۔

۲۔ مولانا یسین مولود: جمعہ: ۷/۹/۱۳۷۷ھ - ۲۸/۳/۱۹۵۸ء - ۱۴۰۰ھ ۱۹۸۰ء میں دار العلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، کاشت کاری سے وابستہ ہیں، وطن سیلوڈی ہی میں بود و باش ہے۔

۳- مولانا سراج الدین مولود: جمعرات: ۲۳/۵/۱۳۸۱ھ = ۱۲/۱۱/۱۹۶۱ء - ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء میں دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، وطن ہی میں بود و ماند ہے، ذریعہ معاش زراعت ہے۔

۴- خالد مولود: جمعرات: ۲۱/۴/۱۳۹۰ھ = ۲۵/۶/۱۹۷۰ء۔ عرصے سے ری یونین میں مقیم ہیں۔

۵- عبد اللہ مولود: شنبہ ۱۴/۴/۱۳۹۲ھ - ۲۷/۵/۱۹۷۲ء۔ یہ بھی مدت دراز سے ری یونین میں رہائش پذیر ہیں۔

۶- ریحانہ مولود: جمعہ: ۲۸/۸/۱۳۸۴ھ - ۱/۱/۱۹۶۵ء۔

۷- مریم مولود: شنبہ ۲۳/۹/۱۳۸۵ھ - ۱۵/۱/۱۹۶۶ء دونوں بہنیں سیلوڈی ہی میں رہتی ہیں؛ کیوں کہ یہی اُن کا میکا بھی ہے اور سسرال بھی۔

تحریر کردہ ۷ ربجے وقت عشا، شب جمعہ - شنبہ: ۲۷-۲۶ ربیع الاول ۱۴۴۲ھ - ۱۳ - ۱۴/ نومبر ۲۰۲۰ء

———

حضرت الاستاذ مولانا رشید احمد صاحب سیلوڈی رحمۃ اللہ علیہ
کچھ یادیں کچھ باتیں

از: ابو یُمنیٰ بھورانیہ

حضرت الاستاذ مولانا رشید احمد صاحب سیلوڈی رحمۃ اللہ علیہ کی وفاتِ حسرت آیات بندے کے لیے صرف ایک شفیق استاذ، نرم دل مربّی اور ایک بلند پایہ عالم کی وفات نہیں؛ بلکہ بندے نے اس حادثے میں اپنے راحت رساں، خوشی وغم میں شریک، بے مثال پڑوسی اور اپنے بچوں کے (منہ بولے) دادا کو بھی کھو دیا ہے۔

حضرت الاستاذ کی زیارت کا نقشِ اولیں

یاد پڑتا ہے کہ بندے کا جب جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کے درجۂ فارسی میں داخلہ ہوا، ایک شام احباب کے ساتھ نہر کی طرف تفریح کا پروگرام طے پایا، خوش گپّیوں میں مصروف دوستوں کا یہ قافلہ خراماں خراماں نہر کی طرف گامزن ہے، اتنے میں سامنے سے ایک وجیہ اور بارعب شخصیت نمودار ہوئی، ہاتھ میں تسبیح، سفید شفاف لباس میں ملبوس، سر پر پانچ خانوں (کلی) والی ٹوپی، پاؤں میں گہرے خاکی رنگ کے جوتے، لانبا قد، بھرا ہوا جسم، پیٹ قدرے بلند، چہرے کا رنگ سیاہی مائل مگر جاذبیت سموئے ہوئے، چال میں متانت، نگاہیں نیچے۔ اس سراپے کے سامنے آتے ہی ایک ساتھی کہنے لگے: دیکھ! یہ جامعہ کے استاد ہیں، شرط لگالے تو ان سے سلام میں کبھی پہل نہیں کرسکتا، زمانۂ طالبِ علمی کی خَرمستیاں تھیں کہ اس شرط کو قبول کرتا ہوا ساتھیوں سے دو قدم آگے بڑھا، ابھی تو یہاں سلام کے لیے لبوں نے حرکت شروع کی اور وہاں تو سلام ہی مکمل ہوچکا تھا۔

یہ تھے حضرت الاستاذ مولانا رشید احمد صاحب سیلوڈی رحمۃ اللہ علیہ، اور یہ تھا آپ کی زیارت کا نقشِ اولیں، جسے بھولے نہیں بھولا یا جاسکتا، اس لیے کہ یہ شرط حضرت کے آخری وقت تک بندے کو مہنگی پڑی، اچھے سے یاد ہے کہ طالبِ علمی کے کُل دور میں، فراغت کے بعد کی ملاقاتوں میں، اور پھر تدریسی رفاقت کے زمانے میں شاید ایک یا دو ہی موقعے ایسے میسر آئے جس میں

بندہ سلام کرنے میں سبقت حاصل کر پایا ہو۔

سلام میں پہل آپ کا امتیازی وصف تھا، اور پھر یہ سلامتی کی دعا صرف زبان تک محدود نہیں رہتی، بلکہ اپنے متعلقین کی سلامتی کے لیے امکان بھر ہر طرح کی کوشش بھی فرماتے۔ توفیقِ ایزدی شامل رہی تو آپ کے اس وصفِ خاص سے بھی قارئین کی تواضع کی جائے گی۔

مسندِ تدریس کی جلوہ نُمائیاں

تدریس دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ایک ہے، اور پھر جب اس کا تعلق کتاب اللہ اور علومِ دینیہ سے ہو تو اس کی حساسیت اور بھی بڑھ جاتی ہے، تدریس کے لیے وسیع اور گہرے مطالعے، الفاظ وتعبیرات کے مناسب ذخیرے، معانی کے القا و ابلاغ کے لیے مرتب و منطقانہ پیرائے کے ساتھ ساتھ جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے وہ ہے دردِ دل، اگر مدرس میں اس خوبی کے علاوہ دیگر تمام خوبیاں اضافے کے ساتھ بھی موجود ہوں تو وہ ایک بے مثال مقرر وخطیب تو ہوسکتا ہے مگر شاید بساطِ تدریس پر کامیابی اس کے ہاتھ نہ لگے، بہ قول حفیظ جالندھری:

بیانِ درد کو دل چاہیے جنابِ حفیظ فقط زبان یہاں قابلِ خطاب نہیں

یہی دردِ دل وہ گراں مایہ متاع ہے جو استاذ و شاگرد کے درمیان غیر مرئی طور پر ہم آہنگی کو بڑھاتی اور مضبوط کرتی ہے، جس کے نتیجے میں شاگرد بھلے ہی الفاظ کو ضبط نہ رکھ سکے مگر ان کے معانی کی تراوٹ اور لذت کو اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔

حضرت الاستاذ کا درس بھی ان خوبیوں کا مرقع تھا، زبان میں سلاست و روانی، الفاظ وتعبیرات کا حسین انتخاب، بہ قدرِ ضرورت عام فہم مثالوں اور واقعات کا جوڑ، معانی کا وفور، حشو و زوائد سے خالی مرتّب کلام، ذہنی مراتب کا خیال، یہ سب باتیں مل کر آپ کے درس میں اس قدر کشش بھر دیتیں کہ طالبِ علم سراپا گوش ہوکر رہ جاتا۔

درجۂ عربی دوم میں القراءۃ الواضحہ، عربی سوم میں نفحۃ العرب کے کچھ اسباق اور شرحِ ابن عقیل، چہارم میں قطبی کے کچھ اسباق، سفینۃ البلغاء اور ترجمۂ قرآن از اول تا سورۂ یوسف، عربی پنجم میں جلالین اول، اور دورۂ حدیث کے سال ابنِ ماجہ حضرت الاستاذ سے پڑھنے کی سعادت

حاصل ہوئی۔

درجۂ عربی دوم میں القرأۃ الواضحہ کی تدریس کا طریقہ یہ ہوتا کہ ایک طالبِ علم عبارت پڑھتا، اگر کوئی غلطی ہوتی تو اس کی اصلاح کی جاتی، پھر وہی طالبِ علم اپنا ترجمہ سناتا، پھر استادِ محترم خود عبارت پڑھ کر سناتے، لغات سمجھاتے اور ترجمہ فرماتے، پھر وہی عبارت خواں طالبِ علم اسی سبق اور ترجمے کو دہراتا، اس ترتیب سے بہت سے طلبہ کو وہیں سبق یاد ہوجاتا یا کم از کم یاد کرتے وقت محنت کم صرف کرنی پڑتی۔ انشاء و تمرین میں یہ اصول تھا کہ اصل اردو یا عربی جملے کے نیچے پہلی سطر میں صرف مفردات کا ترجمہ کیا جائے اور اس کے بعد والی سطر میں مکمل جملے لکھے جائیں تا کہ مفردات اچھی طرح یاد ہوجائیں، عربی سوم میں نفحۃ العرب میں بھی یہی ترتیب رہی مگر کچھ ہی دنوں میں اسباق کی تبدیلی ہوئی اور شرحِ ابنِ عقیل کا درس آپ سے متعلق ہوگیا، یوں تو الفیہ ابنِ مالک کی مشکلات کا چرچا بہت سن رکھا تھا مگر استادِ محترم کے آسان طرزِ تدریس نے اس بھول بھلیاں سے اس طرح پار لگادیا کہ ابنِ عقیل کے مشکل ہونے کے متعلق باتیں سازش معلوم ہونے لگیں۔

درجۂ عربی چہارم میں سورۂ فاتحہ سے لے کر سورۂ یوسف تک ترجمہ آپ سے پڑھنے کا زریں موقع ملا، تفسیر و ترجمہ آپ کا خاص فن اور محبوب مشغلہ تھا، پہلے کوئی طالبِ علم دل نشیں انداز میں تلاوت کرتا، جہاں تک سبق پڑھانے کا ارادہ ہوتا وہاں "بس" کہہ کر اس کی تلاوت روک دی جاتی اور پھر یہاں سے علمی فیضان کے دہانے کھل جاتے، حلِّ لغات، بہ قدرِ ضرورت نحوی تراکیب اور شانِ نزول سے لے کر عصری تطبیق تک یہ سلسلہ پھیلتا چلا جاتا، سننے والے سنتے، خوش نصیب طلبہ اس جامِ صافی سے دلوں کے ظرف بھرتے، کبھی آنکھیں آنسو بہاتی اور کبھی لبوں پر مسکراہٹ کھیلتی۔

ترجمہ قرآن کا یہ سبق صبح کے چوتھے یعنی آخری گھنٹے میں ہوتا، مناسبت پیدا کرنے کے لیے شروع شروع میں محدود وقت میں سبق سمیٹ لیا جاتا، پھر رفتہ رفتہ درس کا دورانیہ بڑھتا اور بڑھتے بڑھتے چھٹی کے بعد مزید آدھ گھنٹے تک طویل ہوجاتا، مدرسے سے ربط رکھنے والے جانتے ہیں کہ چوتھا گھنٹہ کتنا صبر آزما ہوتا ہے، صبح سے جاگی ہوئی آنکھیں قیلولے کے لیے اندھیرا تلاش کر رہی ہوتی ہیں اور پیٹ میں چوہوں کی اُچھل کود، اوپر سے کھانے کی گھنٹی تو اس گھنٹے کو

اور بھی دشوار بنادیتی ہے، ان سب باتوں کے باوجود پورے ذوق وشوق سے طلبہ سبق سنتے، اور سبق ختم ہونے کے بعد ہشاش بشاش اٹھتے۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ آپ کا پسندیدہ ترجمہ تھا، بعض موقعوں پر اس کی عمدگی کو کھول کر سمجھاتے، نامور اہلِ علم کے ترجموں میں درآئی فروگزاشت پر نام لیے بغیر تنبیہ فرماتے، تمام شخصی عقیدتوں کو چھوڑ نفسِ قرآن کا پیغام دلوں میں اتارنے کی کوشش ہوتی۔

آپ کی اردو بھی بہت شستہ، سلیس اور بلاغت کا شہ پارہ ہوا کرتی، صلات (کا، کے، کی) کے استعمال میں چوک کا یہاں کوئی گذر نہ تھا، ہے اور ہیں کی ادائیگی میں بیّن فرق ہوتا، شخصی طور پر آپ سے ناواقف کوئی آدمی اگر آپ کو سن لیتا تو اسے یہ یقین کرنا دشوار ہوتا کہ آپ ''گجراتی'' ہیں۔ اسی عربی چہارم کا زمانہ تھا کہ ندوۃ العلماء کے طلبہ کی ایک تبلیغی جماعت جامعہ میں حاضر ہوئی، اس جماعت کے ذمہ دار ایک ندوی عالم تھے، جنھوں نے یمن کے جامعۃ الایمان سے بھی کسبِ فیض کیا تھا، بندے سے کچھ شناسائی ہوئی، باتوں باتوں میں انھوں نے کسی استاد کے درس میں شرکت کی خواہش ظاہر کی، انھیں بندے نے اپنی درس گاہ کا پتہ اور ترجمۂ قرآن کے درس کا وقت بتلادیا، موصوف اپنے ساتھیوں کے ساتھ شریکِ درس ہوئے، بعد میں بندے نے جب ان سے ملاقات کی تو انھیں منہ بھر بھر کر حضرت الاستاذ کے درس کی تعریف کرتے پایا، ان کے لیے یہ یقین کرنا دشوار تھا کہ کسی گجراتی کی اردو بھی اس قدر صاف اور شُستہ ہوسکتی ہے۔

اسی ترجمۂ قرآن کے سبق میں آپ کی وہ جلالی شان آج بھی نظروں کے سامنے ہے جب سبق میں غزوۂ بدر کا ذکر آیا، بہت کھل کر آپ نے اپنا موقف پیش کیا، آپ کے الفاظ کے تھے، ''بھئی غور سے سنو! میں کہہ رہا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوٹ چلائی تھی، یعنی خود آگے بڑھ کر اقدامی حملہ کیا تھا۔'' اور پھر دلائل کے انبار لگادیے، محسوس ہورہا تھا کہ مستشرقین کے اعتراضات سے مرعوب ہوکر غزوۂ بدر کو دفاعی اقدام کہنے والے روشن خیال اگر اس تقریر کو سن لیتے تو وہ بھی اپنے موقف سے رجوع کرلیتے۔

سفینۃ البلغاء کے درس میں آپ کی ادیبانہ شان ہوتی، کتاب میں ذکر کردہ مثالوں کے علاوہ بھی اشعار اور محاورے ذکر کیے جاتے، مزید تنقیح کے لیے کبھی اردو کے اشعار بھی پیش کیے جاتے، البتہ سفینہ کے عیسائی مؤلفین کی دانستہ تحریفات اور اپنے غلط عقائد کی آمیزش کے خلاف

آپ گویا تیغ بہ دست نظر آتے۔

جلالین کے سبق میں بھی کچھ ایسا ہی سماں ہوتا، آیت کا پیغام واضح کیا جاتا، صاحبِ کتاب کا موقف سمجھایا جاتا، ضرورت پڑتی تو اس کا تجزیہ کرکے راجح قول بیان کیا جاتا، اختلافِ قراءات اور اس سے پیدا ہونے والے مختلف معانی پر روشنی ڈالی جاتی، حاشیے میں درج کسی اہم بات پر توجہ دلانی ہوتی یا اس کا رد کرنا ہوتا تو اہتمام سے اسے بھی شاملِ درس کیا جاتا، اسی ضمن میں حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، اور حضرت موسی علیہ السلام کے واقعات کے ذیل میں تفسیری فروگذاشت کا ذکر کرکے صحیح صورتِ حال سے آگاہ کیا جاتا، اور عقیدہ عصمتِ انبیاء کی دو اور دو چار کی طرح ایسی واضح اور آسان تشریح کی جاتی کہ تمام شبہات کافور ہو کر عقیدۂ عصمتِ انبیاء دل میں نقش کالحجر ہو کر رہ جاتا۔

دورۂ حدیث کے سال ابنِ ماجہ پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، میرے علم کے مطابق استاد کا اسی سال پہلی مرتبہ دورہ میں سبق طے ہوا اور جامعہ میں پہلی دفعہ آپ نے حدیث کا سبق پڑھایا، اب تک جس شخصیت کو ادیب اور مفسر کی حیثیت سے دیکھا اور جانا تھا، اب اس کی محدثانہ شان سے بھی چُلّو بھرنے کی سعادت میسر ہوئی۔

منتشر یادوں کا یہ ایک حصہ تھا، استاد کی محبت اسے الفاظ کے نقوش میں کھینچ لائی ہے، ورنہ ان شکستہ الفاظ اور بگڑے ہوئے لہجے میں وہ سکت کہاں جو استادِ محترم کا صحیح نقش پیش کرسکے، بس یہی کہہ سکتا ہوں:

بہت عنوان سوچے اور بہت خاکے بناڈالے مرتب ہوسکا لیکن نہ دردِ دِل کا افسانہ

(حضرت ڈاکٹر محمد عبد الحئی عارفی رحمۃ اللہ علیہ)

———

کتاب کی فریاد اپنے حاملین سے

بقلم: مولانا عبد الرشید صاحب سیلوڈی رحمۃ اللہ علیہ

مجھے بلا طہارت یا بلا نظافت نہ چھوئیں، خاص کر اس وقت جب کہ میں متلو یا غیر متلو وحی کی شکل سے آراستہ ہوں۔

مجھے غلط یا بد نما خط میں لکھ کر میرے حسین چہرے کو مثلہ نہ بنائیں۔

مجھے بچوں کی دسترس سے بالاتر رکھیں، میں کوئی بچوں کا کھلونا نہیں ہوں۔

میری پنکھڑیوں کو ملاطفت اور رفق کے بغیر نہ چھوئیں، میرا جسم پھولوں سے بھی نازک تر ہے، ہاں! اُس کا افادہ وقتی اور عارضی ہے، مگر میرا دائمی، لازوال اور غیر فانی۔

مجھے بیل بوٹوں، تصویروں، دستخطوں، تمرینوں، حسابی شکلوں اور جغرافیائی نقشوں کی نمائش گاہ نہ بنائیں۔

مجھے تکیہ نہ بنائیں، یا مجھ پر کوئی چیز نہ رکھیں، یہی میری شرافت کا مقتضا ہے۔

مجھے قلم دان صندوق البرید یا کاپی، کاغذ کی فائل نہ سمجھیں میں کوئی سلة المهملات (کوڑادان) نہیں ہوں۔

اگر میری حیثیت مملوکیت کی ہے، تو بھی مجھ پر اپنے نام، ولدیت اور سکونت سے زیادہ کچھ نہ لکھیں بہ شرطے کہ آپ کا املا خوبصورت ہے؛ ورنہ ربڑ کی مہر مجھے بہت محبوب ہے۔

اگر میری حیثیت مستعار کی ہو تو اپنا نام مجھ بے زبان پر لکھ کر ظلم نہ کریں؛ اور وقتِ موعود پر میرے مالک سے ملا کر مجھے قرار اور تسکین بخشیں؛ ہاں! یہ بھی خیال رہے کہ میں کہیں نظر بد کا نشانہ بھی نہ بنوں۔

مجھے بے پردہ چھوڑ کر رسوانہ کریں جلد کا نقاب پہنا کر میرے حسن و جمال کو محفوظ رکھیں۔

اگر میں تجلید کے مرحلے سے گذروں، تو میرے حواشی کو زیادہ کاٹ کر ''بڑھیا کا باز'' نہ بنائیں۔

مجھے مستعار نہ مانگو، کیا کوئی محبوب عاریت پر دیا جاتا ہے؟۔

مجھے مفت حاصل کرنے کی تمنا نہ کرو؛ کیا کبھی متاع عزیز کی خریداری میں بخل روا ہوتا ہے؟

مجھے کرم خانہ نہ بناؤ، صبر ایوبی مجھے کہاں نصیب؟!!۔